آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اول — مئی سنہ ۱۹۰۲ء — نمبر (۵)

فہرست مضامین :-

انجمن اشاعت الاسلام قادیان

نے

انوار احمدیہ پریس قادیان دار الامان میں چھپوا کر

۱۹ جولائی سنہ ۱۹۰۲ء کو شائع کیا

چندہ سالانہ معہ محصولڈاک :- معمولی کاغذ پر (عہ) ولایتی کاغذ پر (للعہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عصمتِ انبیاء علیہم السلام

نجات اور شفاعت کی حقیقی فلاسفی

مذہبی مسائل میں سے نجات اور شفاعت کا مسئلہ ایک ایسا عظیم الشان اور مدار المہام مسئلہ ہے کہ مذہبی پابندی کے تمام اغراض اُسی پر جاکر ختم ہوجاتے ہیں۔ اور کسی مذہب کے صدق اور سچائی کے پرکھنے کے لئے وہی ایک ایسا صاف اور کھلا کھلا نشان جس کے ذریعہ سے پوری تسلی اور اطمینان سے معلوم ہوسکتا ہے کہ فلاں مذہب درحقیقت سچا اور منجانب اللہ ہے اور یہ بات بالکل راست اور درست ہے کہ جس مذہب نے اس مسئلہ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا یا اپنے فرقہ میں نجات یافتہ لوگوں کے موجودہ نمونے کھلے کھلے امتیاز کے ساتھ دکھلا نہیں سکا اُس مذہب کے باطل ہونے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں مگر جس مذہب نے کمال صحت سے نجات کی اصل حقیقت دکھلائی ہے اور نہ صرف اس قدر بلکہ اپنے موجودہ زمانے میں ایسے انسان بھی پیش کئے ہیں جن میں کامل طور پر نجات کی روح پھونکی گئی ہے اُس نے مہر لگا دی ہے کہ وہ سچا اور منجانب اللہ ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ہر ایک انسان طبعاً اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ وہ صدہا طرح کی غفلتوں اور پردوں اور نفسانی حملوں اور لغزشوں اور کمزوریوں اور جہالتوں اور قدم قدم پر تاریکیوں اور ٹھوکروں اور مسلسل خطرات اور وساوس کی وجہ سے اور نیز دنیا کی انواع و اقسام کی آفتوں اور بلاؤں کے سبب سے ایک ایسے زبردست ہاتھ کا ضرور محتاج ہے جو اس کو ان تمام مکروہات سے بچا وے کیونکہ انسان

اپنی فطرت میں ضعیف ہے اور وہ کبھی ایک دم کے لئے بھی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرسکتا کہ وہ خود بخود نفسانی ظلمات سے باہر آسکتا ہے۔ یہ تو انسانی کانشنس کی شہادت ہے اور ماسوا اس کے اگر غور اور فکر سے کام لیا جاوے تو عقل سلیم بھی اسی کو چاہتی ہے کہ نجات کے لئے شفیع کی ضرورت ہے کیونکہ خدا تعالےٰ نہایت درجہ تقدس اور تطہر کے مرتبہ پر ہے اور انسان نہایت درجہ ظلمت اور معصیت اور آلودگی کے گڑھے میں ہے اور بوجہ فقدان مناسبت اور مشابہت عام طبقہ انسانی گروہ کا اس لائق نہیں کہ وہ براہ راست خدا تعالےٰ سے فیض پاکر مرتبہ نجات کا حاصل کرلیں۔ پس اس لئے حکمت اور رحمت الٰہی نے یہ تقاضا فرمایا کہ نوع انسان اور اللہ تعالےٰ میں بعض افراد کاملہ جو اپنی فطرت میں ایک خاص فضیلت رکھتے ہوں درمیانی واسطہ ہوں اور وہ اس قسم کے انسان ہوں جن کی فطرت نے کچھ حصہ صفات لاہوتی سے لیا ہو اور کچھ حصہ صفات ناسوتی سے تا باعث لاہوتی مناسبت کے خدا سے فیض حاصل کریں اور بباعث ناسوتی مناسبت کے اس فیض کو جو اوپر سے لیا ہے نیچے کو یعنے بنی نوع کو پہنچاویں اور یہ کہنا واقعی صحیح ہے کہ اس قسم کے انسان بوجہ زیادت کمال لاہوتی اور ناسوتی کے دوسرے انسانوں سے ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں گویا یہ ایک مخلوق ہی الگ ہے کیونکہ جس قدر ان لوگوں کو خدا کا جلال اور عظمت ظاہر کرنیکے لئے جوش دیا جاتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں وفاداری کا مادہ بھرا جاتا ہے اور پھر جس قدر بنی نوع کی ہمدردی کا جوش ان کو عطا کیا جاتا ہے وہ ایک ایسا امر فوق العادت ہے جو دوسرے کے لئے اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یہ تمام اشخاص ایک مرتبہ پر نہیں ہوتے بلکہ ان فطرتی فضائل میں کوئی اعلےٰ درجہ پر ہے کوئی اس سے کم اور کوئی اس سے کم ۔

ایک سلیم العقل کا پاک کانشنس سمجھ سکتا ہے کہ شفاعت کا مسئلہ کوئی بناوٹی اور مصنوعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ خدا کے مقرر کردہ انتظام میں اندر سے اس کی نظیریں موجود ہیں اور قانون قدرت میں اسکی شہادتیں صریح طور پر ملتی ہیں۔ اب شفاعت کی فلاسفی یوں سمجھنی چاہیئے کہ شفع لغت میں جفت کو کہتے ہیں پس شفاعت کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ضروری امر جو شفیع کی صفات میں سے ہوتا ہے یہ ہے کہ اس کو دو طرفہ اتحاد حاصل ہو یعنے ایک طرف اس کے نفس کو خدا تعالےٰ سے تعلق شدید ہو ایسا کہ گویا وہ کمال اتحاد کے سبب حضرت احدیت کے لئے بطور جفت اور پیوند کے ہو اور دوسری طرف اسکو مخلوق سے بھی شدید تعلق ہو گویا وہ ان کے اعضا کی ایک جز ہو۔ پس شفاعت کا امر مترتب ہونے

سکے لئے درحقیقت یہی دو جز ہیں جن پر ترتب اثر موقوف ہے *

یہی راز ہے جو حکمت الٰہیہ نے آدم کو ایسے طور سے بنایا کہ فطرت کی ابتدا سے ہی اُس کی سرشت میں دو قسم کے تعلق قائم کر دیئے یعنی ایک تعلق تو خدا سے قائم کیا جیسا قرآن شریف میں فرمایا فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعوا له سٰجدین یعنی جب میں اس کو ٹھیک ٹھیک بنا لوں اور میں اپنی روح اسمیں پھونکدوں تو اے فرشتو اسی وقت تم سجدہ میں گر جاؤ ۔ مذکورہ بالا آیت سے

حاشیہ

اس آیت میں ایک عمیق راز کی طرف اشارہ ہے ۔ جو انتہائی درجہ کے کمال کا ایک نشان ہے اور وہ یہ کہ انسان ابتدا میں صرف صورت انسان کی ہوتی ہے مگر اندر سے وہ بیجان ہوتا ہے اور کوئی روحانیت اُس میں نہیں ہوتی اور اس صورت میں فرشتے اُس کی خدمت نہیں کرتے کیونکہ وہ ایک پوست بیمغز ہے لیکن بعد اس کے رفتہ رفتہ سعید انسان پر یہ زمانہ آجاتا ہے کہ وہ خدا سے بہت ہی قریب جا رہتا ہے تب جب ٹھیک ٹھیک ذوالجلال کی روشنی کے مقابل پر اس کا نفس جا پڑتا ہے اور کوئی حجاب درمیان نہیں ہوتا کہ اُس روشنی کو روک دے تو بلا توقف الوہیت کی روشنی جس کو دوسرے لفظوں میں خدا کی روح کہ سکتے ہیں اس انسان کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور وہی ایک خاص حالت ہے جسکی نسبت کلام الٰہی میں کہا گیا کہ خدا نے آدم میں اپنی روح پھونکدی اس حالت پر کسی تکلف سے اور نہ ایسے امر سے جو شریعت کے احکام کے رنگ میں ہوتا ہے فرشتوں کو یہ حکم ہوتا ہے کہ اسکے آگے سجدہ میں گریں یعنی کامل طور پر اسکی اطاعت کریں گویا وہ اسکو سجدہ کر رہے ہیں یہ حکم فرشتوں کی فطرت کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے کوئی مستحدث امر نہیں ہوتا ۔ پس ایسے شخص کے مقابل پر جسکا وجود خدا کی صورت پر آجاتا ہے خود فرشتے طبعاً محسوس کر لیتے ہیں کہ اب اسکی خدمت کے لئے ہمیں گرنا چاہیئے اور ایسے قصے درحقیقت قصے نہیں ہیں ۔ بلکہ قرآن کریم میں عادات الٰہی اسی طرح واقع ہے کہ اُن قصوں کے نیچے کوئی علمی حقیقت ہوتی ہے پس اس جگہ یہی علمی حقیقت ہے کہ خدا تعالےٰ نے اس قصے کے پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہا ہے کہ کامل انسان کی نشانی کیا ہے پس فرمایا کہ انسان کامل کی پہلی نشانی یہ ہے کہ انسانی خلقت کے کسی حصہ میں وہ کم نصیب نہ ہو اور اس کے روحانی جسمانی اعضا نے بشری بناوٹ سے پورا حصہ لیا ہو اور کمال اعتدال پر اسکی فطرت واقع ہو (۲) اور دوسری یہ نشانی ہے کہ الٰہی روح نے اسکے اندر دخول کیا ہو (۳) اور تیسری یہ نشانی ہے کہ

صاف ثابت ہے کہ خدا نے آدم میں اُسکی پیدایش کے ساتھ ہی اپنی روح پھونک کر اسکی فطرت کو اپنے ساتھ ایک تعلق قائم کر دیا۔ سو یہ اس لئے کیا گیا کہ تا انسان کو فطرتاً خدا سے تعلق پیدا ہو جاوے ایسا ہی دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ ان لوگوں سے بھی فطرتی تعلق ہو جو بنی نوع کہلائینگے کیونکہ جب کہ اُن کا وجود آدم کی ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت ہوگا تو وہ ضرور اس روح میں سے بھی حصہ لینگے جو آدم میں پھونکی گئی۔ پس اسلئے آدم طبعی طور پر اُن کا شفیع ٹھیریگا۔ کیونکہ بباعث نفخ روح جو راستبازی آدم کی فطرت کو دی گئی ہے ضرور ہے کہ اسکی راستبازی کا کچھ حصہ اُس شخص کو بھی ملے جو اسمیں سے نکلا ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ ہر ایک جاندار کا بچہ اسکی صفات اور افعال میں سے حصہ لیتا ہے اور در اصل شفاعت کی حقیقت بھی یہی ہے کہ فطرتی وارث اپنے مورث سے حصہ لے کیونکہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ شفاعت کا لفظ شفع کے لفظ سے نکلا ہے جو زوج کو کہتے ہیں پس جو شخص فطرتی طور پر ایک دوسرے شخص کا زوج ٹھیر جائیگا ضرور اسکی صفات میں سے حصہ لیگا۔

اسی اصول پر تمام سلسلہ خلقی توارث کا جاری ہے یعنے انسان کا بچہ انسانی قوے میں سے حصہ لیتا ہے اور گھوڑے کا بچہ گھوڑے کے قوے میں سے حصہ لیتا ہے اور اسی وراثت کا نام دوسرے لفظوں میں شفاعت سے فیضیاب ہونا ہے کیونکہ جبکہ شفاعت کی اصل شفع یعنے زوج ہے پس تمام مدار شفاعت سے فیض اٹھانے کا اس بات پر ہے کہ جس شخص کی شفاعت سے آدمی مستفیض ہونا چاہتا ہے اس سے فطرتی تعلق اسکو حاصل ہوتا ہے جو کچھ اسکی فطرت کو دیا گیا ہے۔ اسکی فطرت کو بھی وہی ملے یہ تعلق جیسا کہ وہی طور پر انسانی فطرت میں موجود ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان

حاشیہ: فرشتے اسکو سجدہ کریں یعنے تمام فرشتے جو زمین اور آسمان کے کام میں لگے ہوئے ہیں اُس کے خادم ہوں اور اسکی منشا کے مطابق کام کریں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کا تمام لشکر ملائکہ کا بھی اُس شخص کے ساتھ ہو جاتا ہے اور اسکی طرف جھک جاتا ہے تب ہر ایک میدان میں اور ہر ایک مشکل کے وقت میں فرشتے اسکی مدد کرتے ہیں اور اُس کی اطاعت کیلئے ہر دم کمربستہ رہتے ہیں گویا وہ ہر وقت اسکے سامنے سجدہ میں ہیں کیونکہ وہ خدا کا خلیفہ ہے لیکن ان باتوں کو زمینی خیال کے لوگ سمجھ نہیں سکتے کیونکہ آسمانی روح سے انکو حصہ نہیں دیا گیا۔ منہ

کی چیز ہے ایسا ہی کسی طور پر بھی یہ تعلق زیادت پذیر ہے یعنے جب ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ جو فطرتی محبت اور فطرتی ہمدردی بنی نوع کی اس میں موجود ہے اسمیں زیادت ہو تو بقدر دائرہ فطرت اور مناسبت کے زیادت بھی ہو جاتی ہے اسی بنا پر قوت عشقی کا تموج بھی ہے کہ ایک شخص ایک شخص سے اسقدر محبت بڑھاتا ہے کہ بغیر اسکے دیکھنے کے آرام نہیں کر سکتا۔ آخر اسکی شدت محبت اس دوسرے شخص کے دل پر بھی اثر کرتی ہے اور جو شخص انتہا درجہ پر کسی سے محبت کرتا ہے وہی شخص کامل طور پر اور سچے طور پر اُسکی بھلائی بھی چاہتا ہے چنانچہ یہ امر سچوں کی نسبت انکی طرف سے مشہود اور محسوس ہے ◆

پس اصل جڑ شفاعت کی یہی محبت ہے جبکہ اسکے ساتھ فطرتی تعلق بھی ہو کیونکہ بجز فطرتی تعلق کے محبت کا کمال جو شرط شفاعت ہے غیر ممکن ہے اس تعلق کو انسانی فطرت میں داخل کرنے کیلئے حوّا کو علیحدہ پیدا نہ کیا بلکہ آدمؑ کی پسلی سے ہی اسکو نکالا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا یعنے آدم کے وجود میں سے ہی ہمنے اس کا جوڑا پیدا کیا جو حوّا ہے تا آدمؑ کا یہ تعلق حوا اور اسکی اولاد سے طبعی ہو نہ بناوٹی اور یہ اسلئے کیا کہ تا آدم زادوں کے تعلق اور ہمدردی کو بقا ہو کیونکہ طبعی تعلق غیر منفک ہوتے ہیں مگر غیر طبعی تعلق کیلئے بقا نہیں ہے کیونکہ انمیں وہ باہمی کشش نہیں ہے جو طبعی میں ہوتی ہے۔ غرض خدا نے اسطرح پر دونوں قسم کے تعلق جو آدم کیلئے خدا سے اور بنی نوع سے ہونے چاہئے تھے طبعی طور پر پیدا کئے پس اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ کامل انسان جو شفیع ہونیکے لائق ہو وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے ان دونوں تعلقوں سے کامل حصہ لیا ہو اور کوئی شخص بغیر ان ہر دو قسم کے کمال کے انسان کامل نہیں ہو سکتا اسی لئے آدمؑ کے بعد بھی سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہوئی کہ کامل انسان کیلئے جو شفیع ہو سکتا ہے یہ دونوں تعلق ضروری ٹھیرائے گئے یعنے ایک تعلق کہ انمیں آسمانی روح پھونکی گئی۔ اور خدا نے ایسا اُنسے اتصال کیا کہ گویا انمیں اتر آیا اور دوسرے یہ کہ بنی نوع کی زوجیت کا وہ جوڑ جو حوّا اور آدم میں باہمی ہمدردی اور محبت کے ساتھ مستحکم کیا گیا تھا اُن میں سب سے زیادہ چمکایا گیا اسی تحریک سے انکو بیویوں کی طرف بھی رغبت ہوئی اور یہی ایک اول علامت اس بات کی ہے کہ ان میں بنی نوع کی ہمدردی کا مادہ ہے اور اسی کی طرف یہ وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جسکے الفاظ یہ ہیں کہ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ بِاَھْلِہٖ یعنے تم میں سے زیادہ بنی نوع کیساتھ بھلائی کرنے والا وہی ہو سکتا ہے کہ پہلے اپنی بیوی کے ساتھ بھلائی کرے مگر جو شخص اپنی بیوی کیساتھ ظلم اور شرارت کا برتاؤ رکھتا ہے ممکن نہیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی بھلائی کر سکے کیونکہ خدا نے آدم کو پیدا کر کے سب سے پہلے آدم کی

محبت کا مصداق اسکی بیوی کو ہی بنایا ہے پس جو شخص اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتا یا اسکی خود بیوی ہی نہیں وہ کامل انسان ہونیکے مرتبہ سے گرا ہوا ہے اور شفاعت کی دو شرطوں میں سے ایک شرط اسمیں مفقود ہے اس لئے اگر عصمت اسمیں پائی بھی جائے تب بھی وہ شفاعت کرنیکے لائق نہیں لیکن جو شخص کوئی بیوی نکاح میں لاتا ہے وہ اپنے لئے بنی نوع کی ہمدردی کی بنیاد ڈالتا ہے کیونکہ ایک بیوی بہت سے رشتوں کا موجب ہو جاتی ہے اور بچے پیدا ہوتے ہیں انکی بیویاں آتی ہیں اور بچوں کی نانیاں اور بچوں کے ماموں وغیرہ ہوتے ہیں اور اسطرح پر ایسا شخص خواہ نخواہ محبت اور ہمدردی کا عادی ہو جاتا ہے اور اسکی اس عادت کا دائرہ وسیع ہو کر سب کو اپنی ہمدردی سے حصہ دیتا ہے لیکن جو لوگ جوگیوں کی طرح نشو ونما پاتے ہیں انکو اس عادت کے وسیع کرنیکا کوئی موقع نہیں ملتا اس لئے انکے دل سخت اور خشک رہ جاتے ہیں +

عصمت اور شفاعت میں تعلق

یہ امر ظاہر ہے کہ عصمت کو شفاعت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ عصمت کا مفہوم صرف اس حد تک ہے کہ انسان گنہ سے بچے اور گنہ کی تعریف یہ ہے کہ انسان خدا کے حکم کو عمداً توڑ کر لائق سزا ٹھیرے پس صاف ظاہر ہے کہ عصمت اور شفاعت میں کوئی تلازم ذاتی نہیں کیونکہ تعریف مذکورہ بالا کے رو سے نابالغ بچے اور پیدائشی مجنوں بھی معصوم ہیں وجہ یہ کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی گناہ عمداً کریں پس بلاشبہ وہ حق رکھتے ہیں کہ انکو معصوم کہا جائے مگر کیا وہ یہ بھی حق رکھتے ہیں کہ وہ انسانوں کے شفیع اور منجی کہلائیں پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ منجی ہونے اور معصوم ہونیمیں کوئی تعلق نہیں اور ہرگز عقل سمجھ نہیں سکتی کہ عصمت سے شفاعت کو کوئی حقیقی تعلق ہے ہاں عقل اس بات کو خوب سمجھتی ہے کہ شفیع کیلئے یہ ضروری ہے کہ مذکورہ بالا دو قسم کے تعلق اسمیں پائے جائیں اور عقل بلاتردد یہ حکم کرتی ہے کہ اگر کسی

[illegible]

جبکہ عقل اور انصاف کے رو سے گناہ کی تعریف یہ ہے کہ گناہ ایک فعل کو اس وقت کہا جائیگا جبکہ ایک انسان اس فعل کے ذریعہ سے خدا کے حکم کو توڑ کر سزا کے لائق ٹھیرے تو اس صورت میں ضروری ہوا کہ گناہ کے صادر ہونے سے پہلے خدا کا حکم موجود ہو اور نیز اس گناہ کے مرتکب کو وہ حکم پہنچ بھی گیا ہو اور نیز اس فعل کے مرتکب کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اس فعل کے ارتکاب سے درحقیقت وہ سزا کے لائق ٹھیر گیا ہے +

انسان میں یہ دو صفتیں موجود ہوں کہ ایک خدا سے تعلق شدید ہو اور دوسری طرف مخلوق سے بھی محبت اور ہمدردی کا تعلق ہو تو بلاشبہ ایسا شخص ان لوگوں کیلئے جنہوں نے عمداً اُسی سے تعلق نہیں توڑا دلی جوش سے شفاعت کریگا۔ اور وہ شفاعت اسکی منظور کیجائیگی کیونکہ جس شخص کی فطرت کو یہ دو تعلق عطا کئے گئے ہیں ان کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ خدا کی محبت تامہ کی وجہ سے اس فیض کو کھینچے اور پھر مخلوق کی محبت تامہ کی وجہ سے وہ فیض اُن تک پہنچائے اور یہی وہ کیفیت ہے جسکو دوسرے لفظوں میں شفاعت کہتے ہیں شخص شفیع کیلئے جیسا کہ ابھی مینے بیان کیا ہے ضروری ہے کہ خدا سے اسکو ایک ایسا گہرا تعلق ہو کہ گویا خدا اُس کے دل میں اُترا ہوا ہو اور اسکی تمام انسانیت مر کر بال بال میں لاہوتی تجلّی پیدا ہو گئی ہو اور اُس کی روح پانی کی طرح گداز ہو کر خدا کی طرف بہ نکلی ہو اور اس طرح پر خدائی قرب کے انتہائی نقطہ پر جا پہنچی ہو اور اسی طرح شفیع کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جسکے لئے وہ شفاعت کرنا چاہتا ہے اسکی ہمدردی میں اسکا دل ہاتھ سے نکلا جاتا ہو ایسا کہ عنقریب اس پر غشی طاری ہوگی اور گویا شدت قلق سے اُس کے اعضا اس سے علیحدہ ہوتے جاتے ہیں اور اُسکے حواس منتشر ہیں اور اسکی ہمدردی نے اسکو اس مقام تک پہنچایا ہو کہ جو باپ سے بڑھکر اور ماں سے بڑھکر اور ہر ایک غمخوار سے بڑھکر ہے پس جب یہ دونوں حالتیں اسمیں پیدا ہو جائینگی تو وہ ایسا ہو جائیگا کہ گویا وہ ایک طرف سے لاہوت کے مقام سے جفت ہے

بقیہ حاشیہ نمبر ۱

(مثالیں بطور استشہاد) زید ایک ایسے دور دراز ملک میں ہے کہ خدا کی شریعت اس کو نہیں پہنچی پس اگر شریعت کے احکام میں سے کسی ایک حکم یا چند حکم کو زید نے توڑ دیا ہے تو اس خلاف ورزی احکام الٰہی سے وہ مجرم نہیں ہے کیونکہ شریعت پر اسکو اطلاع نہیں لیکن اگر زید عقل اور فہم رکھنے کی حالت میں بت پرستی کرنے لگے اور خدا کی توحید سے برگشتہ ہو جائے تو وہ باوجود اسکے کہ شریعت اسکو نہیں پہنچی تب بھی مجرم ہے کیونکہ جس توحید کو قرآن لایا ہے وہ عیسائیوں کی تثلیث کی طرح ایسا امر نہیں ہے جو انسانی فطرت میں منقوش نہ ہو بلکہ وہ روز ازل سے بشری فطرت میں منقوش ہے لہذا اسکی خلاف ورزی کے لئے شریعت کا پہنچانا ضروری نہیں صرف عقل انسانی کا پایا جانا ضروری ہے اور اگر شریعت موجود ہے اور ایک شخص کو پہنچ گئی ہے لیکن وہ نابالغ ہے یا مجنون ہے اور اس حالت میں وہ کسی ایسے فعل کا مرتکب ہوا ہے جو شریعت کی رو سے گناہ کہلاتا ہے تو وہ سزا کے لائق نہیں کیونکہ انسانی عقل اسکو دی نہیں گئی اسلئے وہ باوجود شریعت کے پھر بھی معصوم ہے ‡

اور دوسری طرف ناسوت کے مقام سے جفت۔ تب دونوں پلہ میزان کے اسمیں مساوی ہونگے۔ یعنے وہ مظہر لاہوت کامل بھی ہوگا اور مظہر ناسوت کامل بھی۔ اور بطور برزخ دونوں حالتوں میں واقع ہوگا۔ اس طرح پر . . . .

لاہوت
مقام شفع
ناسوت

قرآن شریف سے ثبوت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل تھے

اسی مقام شفاعت کیطرف قرآن شریف میں اشارہ فرماکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انسان کامل ہونیکی شان میں فرمایا ہے دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی یعنے یہ رسول خدا کیطرف چڑھا اور جہانتک امکان میں ہے خدا سے نزدیک ہوا اور قرب کے تمام کمالات کو طے کیا اور لاہوتی مقام سے پورا حصہ لیا اور پھر ناسوت کی طرف کامل رجوع کیا یعنے عبودیت کے انتہائی نقطہ تک اپنے تئیں پہنچایا اور بشریت کے پاک لوازم یعنے بنی نوع کی ہمدردی اور محبت سے جو ناسوتی کمال کہلاتا ہے پورا حصہ لیا لہذا ایک طرف خدا کی محبت میں کمال تام تک پہنچا پس چونکہ وہ کامل طور پر خدا سے قریب ہوا اور پھر کامل طور پر بنی نوع سے قریب ہوا اس لئے دونوں طرف کے مساوی قرب کی وجہ سے ایسا ہوگیا جیسا کہ دو قوسوں میں ایک خط ہوتا ہے لہذا وہ شرط جو شفاعت کیلئے ضروری ہے اسمیں پائی گئی اور خدا نے اپنے کلام میں اسکے لئے گواہی دی کہ وہ اپنے بنی نوع میں اور اپنے خدا میں ایسے طور سے درمیان ہے جیسا کہ وتر دو قوسوں کے درمیان ہوتا ہے ۔

اور پھر ایک اور مقام میں آپکے الٰہی قرب کی نسبت یوں فرمایا قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے لوگونکو اطلاع دیدے کہ میری یہ حالت ہے کہ میں اپنے وجود سے بالکل کھویا گیا ہوں میری تمام عبادتیں خدا کے لئے ہوگئی ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر ایک انسان جبتک وہ کامل نہیں خدا کے لئے خالص طور پر عبادت نہیں کرسکتا۔ بلکہ کچھ عبادت اسکی خدا کے لئے ہوتی ہے اور کچھ اپنے نفس کے لئے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کی عظمت اور بزرگی چاہتا ہے جیسا کہ خدا کی عظمت اور بزرگی کرنی چاہیئے اور یہی عبادت کی حقیقت ہے اور ایسا ہی ایک حصہ اسکی عبادت کا مخلوق کے لئے ہوتا ہے کیونکہ جس عظمت اور بزرگی اور قدرت اور تصرف کو خدا سے مخصوص کرنا چاہیئے اس عظمت اور قدرت

کا حصہ مخلوق کو بھی دیتا ہے۔ اسلئے جیسا کہ وہ خدا کی پرستش کرتا ہے نفس اور مخلوق کی بھی پرستش کرتا ہے بلکہ عام طور پر جمیع اسباب سفلیہ کو اپنی پرستش سے حصہ دیتا ہے کیونکہ خدا کے ارادہ اور تقدیر کے مقابل ان اسباب کو بھی کارخانہ محو و اثبات میں دخیل سمجھتا ہے پس ایسا انسان خدا تعالےٰ کا سچا پرستار نہیں ٹھیر سکتا جو کبھی خدا کی عظمت کا اپنے نفس کو شریک ٹھیراتا ہے اور کبھی مخلوق اور کبھی اسباب کو بلکہ سچا پرستار وہ ہے جو خدا کی تمام عظمتیں اور تمام بزرگیاں اور تمام تصرف خدا ہی کو دیتا ہے نہ کسی اور کو۔ اور جب اس مرتبہ توحید پر انسان کی پرستش پہنچ جائے تب حقیقی طور پر وہ خدا کا پرستار کہلاتا ہے اور ایسا انسان جیسا کہ زبان سے کہتا ہے کہ خداوند وحدہٗ لاشریک ہے ایسا ہی وہ اپنے فعل سے یعنے اپنی عبادت سے بھی خدا کی توحید پر گواہی دیتا ہے پس اسی مرتبہ کاملہ کیطرف اشارہ ہے جو آیت مذکورہ بالا میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ تو لوگوں کو کہدے کہ میری تمام عبادتیں خدا کے لئے ہیں یعنے نفس کو اور مخلوق کو اور اسباب کو میری عبادتیں سے کوئی حصہ نہیں۔

اور پھر بعد اس کے فرمایا کہ میری قربانی بھی خاص خدا کے لئے ہے اور میرا جینا بھی خدا کے لئے ہے اور میرا مرنا بھی خدا کے لئے۔ یاد رہے کہ نسیکہ لغت عرب میں قربانی کو کہتے ہیں اور لفظ نسک جو آیت میں موجود ہے اس کی جمع ہے اور نیز دوسرے معنے اسکے عبادت کے بھی ہیں پس اس جگہ ایسا لفظ استعمال کیا گیا جس کے معنے عبادت اور قربانی دونو پر اطلاق پاتے ہیں یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ کامل عبادت جس میں نفس اور مخلوق اور اسباب شریک نہیں ہیں درحقیقت ایک قربانی ہے اور کامل قربانی درحقیقت کامل عبادت ہے اور پھر بعد اسکے جو فرمایا کہ میرا جینا بھی خدا کیلئے ہے اور میرا مرنا بھی خدا کیلئے۔ یہ آخری فقرہ قربانی کے لفظ کی تشریح ہے تا کوئی اس وہم میں پڑے کہ قربانی سے مراد بکرے کی قربانی یا گاے کی قربانی یا اونٹ کی قربانی ہے اور تا اس لفظ سے کہ میرا جینا اور میرا مرنا خاص خدا کے لئے ہے۔ صاف طور پر سمجھا جائے کہ اس قربانی سے مراد روح کی قربانی ہے اور قربانی کا لفظ قرب سے لیا گیا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کا قرب تب حاصل ہوتا ہے کہ جب تمام نفسانی قوے اور نفسانی جنبشوں پر موت آجائے غرض یہ آیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قرب تام پر ایک بڑی دلیل ہے اور یہ آیت بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسقدر خدا میں گم اور محو ہوگئے تھے کہ آپ کی زندگی کے تمام انفاس اور آپ کی موت محض خدا کیلئے ہوگئی تھی اور آپ کے وجود میں نفس اور مخلوق اور اسباب کا کچھ حصہ باقی نہیں رہا تھا۔ اور آپ کی روح خدا کے آستانہ پر ایسے اخلاص سے گری تھی کہ اسمیں غیر کی ایک ذرہ آمیزش نہیں رہی تھی پس اسطرح آپ نے اس

شرط کے ایک حصہ کو پورا کیا جو شفیع کیلئے ایک لازمی شرط ہے اور آخری فقرہ آیت مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ میرا جینا اور مرنا اس خدا کے لئے ہے جو تمام جہان کی پرورش میں لگا ہوا ہے اسمیں یہ اشارہ ہے کہ میری قربانی بھی تمام جہانکی بھلائی کیلئے ہے ایسا ہی دوسرا حصہ شفاعت کا ہمدردی مخلوق ہے اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ آیت دَنٰی فَتَدَلّٰی کا دوسرا لفظ یعنے تَدَلّٰی اسی ہمدردی پر دلالت کرتا ہے یاد رہے کہ تدلے کا مجرد دلو ہے اور دلو کہتے ہیں ڈول کو کہ کنوئیں کے اندر ڈبونا تا پانی اسکے اندر بھر جائے اور دوسرے معنے دلو کے یہ ہیں کہ کسیکو اپنا شفیع پکڑنا۔ پس تدلے کے یہ معنی ہیں۔ کہ شفاعت کے لئے دور افتادہ لوگوں کی طرف بکمال ہمدردی و غمخواری توجہ کرنا اور اُن سے بہت نزدیک ہو کر اُن کا مکدر پانی اٹھانا اور پاک پانی اُن کو عطا کرنا +

اور چونکہ خدا سے محبت کرنا اور اسکی محبت میں اعلے مقام قرب تک پہنچنا ایک ایسا امر ہے جو کسی غیر کو اس پر اطلاع نہیں ہو سکتی اس لئے خدا تعالے نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے افعال ظاہر کئے جنسے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے درحقیقت تمام چیزوں پر خدا کو اختیار کر لیا تھا اور آپ کے ذرہ ذرہ اور رگ اور ریشہ میں خدا کی محبت اور خدا کی عظمت ایسی رچی ہوئی تھی کہ گویا آپکا وجود خدا کی تجلیات کے پورے مشاہدہ کے لئے ایک آئینہ کی طرح تھا۔ خدا کی محبت کاملہ کے آثار جسقدر عقل سوچ سکتی ہے وہ تمام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے یہ ظاہر ہے کہ ایک شخص جو کسی دوسرے شخص سے محبت کرتا ہے وہ یا تو اسکے کسی احسان کیوجہ سے اُس سے محبت کرتا ہے اور یا اسکے حسن کیوجہ سے کیونکہ جبسے کہ انسان پیدا ہوا ہے اُسوقت سے آج تک تمام بنی آدم کا متفق علیہ یہ تجربہ ہے کہ احسان محبت کی تحریک کرتا ہے اور باوجود اسکے کہ بنی آدم اپنی طبائع میں بہت سا اختلاف رکھتے ہیں تاہم جمیع افراد انسانی کے اندر یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ وہ احسان سے ضرور بقدر اپنی استعداد کے متاثر ہو کر محسن کی محبت دل میں پیدا کر لیتے ہیں یہانتک کہ نہایت خسیس اور سنگدل اور کمینہ فرقہ انسانوں کا جو چور اور ڈاکو اور دیگر جرائم پیشہ لوگ ہیں جو بذریعہ مختلف قسم جرائم کے وجہ معاش پیدا کرتے ہیں وہ بھی احسان سے متاثر ہو جاتے ہیں مثلاً ایک چور جس کا نقب زنی کام ہے اگر اس کو رات کے وقت دو گھروں میں نقب لگانے کا موقع ملے اور ان دونوں میں سے ایک ایسا شخص ہو جو کبھی اس نے اسکے ساتھ نیکی کی تھی اور دوسرا محض اجنبی ہو تو اُس چور کی فطرت باوجود سخت ناپاک ہونے کے ہرگز اس بات کو پسند نہیں کریگی۔ کہ نقب کے وقت اجنبی کے گھر کو تو عمداً چھوڑ دے اور اس اپنے دوست کے

گھر میں نقب لگادے بلکہ انسان تو انسان حیوانات اور درندوں میں بھی یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ وہ
احسان کرنیوالے پر حملہ نہیں کرتے چنانچہ اس بارہ میں کتے کی سیرت اور خصلت اکثر انسانوں کے تجربہ
میں آچکی ہے کہ کسقدر وہ اپنے محسن کی اطاعت اختیار کرتا ہے پس اسمیں کچھ بھی شک نہیں کہ احسان موجب
محبت ہے ایسا ہی حسن کا موجب محبت ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ حسن کے مشاہدے میں ایک لذت ہے اور
انسان ایسی چیز کی طرف طبعاً میل کرتا ہے جس سے اسکو لذت پیدا ہوتی ہے اور حسن سے مراد صرف
جسمانی نقوش نہیں ہیں کہ آنکھ ایسی ہو اور ناک ایسی ہو اور پیشانی ایسی ہو اور رنگ ایسا ہو بلکہ اُس کے مراد
ایک ذاتی خوبی اور ذاتی کمال اور ذاتی لطافت ہے جو کمال اعتدال اور بےنظیری سے ایسے مرتبہ پر واقع ہو جو
اسمیں ایک کشش پیدا ہو جاوے پس تمام وہ خوبیاں جن کو انسانی فطرت تعریف میں داخل کرتی ہے حسن میں
داخل ہوتی ہیں اور انسان کا دل ان کی طرف کھینچا جاتا ہے مثلاً ایک شخص ایک ایسا پہلوان بہادر سر آمد روزگار
نکلا کہ کوئی شخص کشتی میں اُسکے ساتھ برابری نہیں کر سکتا اور نہ صرف اسیقدر بلکہ وہ شیروں کو بھی ہاتھ
سے پکڑ لیتا ہے اور میدان جنگ میں اپنی شجاعت اور طاقت سے ہزار آدمی کو بھی شکست دیسکتا ہے اور
ہزاروں دشمنوں کے محاصرہ میں آکر جان بچا کر نکلجاتا ہے تو ایسا شخص بالطبع دلوں کو اپنی طرف کھینچیگا اور
لوگ ضرور اُس سے محبت کرینگے اور گو لوگوں کو اسکی بےمثل پہلوانی اور شجاعت سے کچھ بھی فائدہ نہ ہو بلکہ
وہ کسی دور دراز ملک کا رہنے والا ہو جسکو دیکھا بھی نہ ہو یا اُس زمانہ سے وہ پہلے گذر چکا ہو مگر تاہم لوگ
اسکے قصوں کو محبت سے سنینگے اور اُسکے ان کمالات کی وجہ سے اُس سے محبت کرینگے سو اس محبت
کی کیا وجہ ہے؟!!

کیا اُس نے کسی پر احسان کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ احسان تو اُس نے کسی پر نہیں کیا پس بجز حسن کے
اُس کی کوئی اور وجہ نہیں پس کچھ شک نہیں کہ یہ تمام روحانی خوبیاں حسن ہیں اور اُس کا نام حسن اخلاق
اور حسن صفات ہے جو حسن اعضا کے مقابل پر واقع ہے اور احسان میں اور حسن اخلاق اور حسن صفات میں فرق
ہے کہ کسی شخص کے نیک خلق یا نیک صفت کو اس وقت اور اُس شخص کی نسبت احسان کے نام سے موسوم
کیا جائیگا جبکہ ایک شخص اس نیک خلق یا نیک صفت سے متمتع ہو جائے اور اُس سے کوئی فائدہ اٹھالے
پس وہ شخص جو اس نیک خلق یا نیک صفت سے فائدہ اُٹھائیگا اسکی نسبت وہ نیک خلق یا نیک صفت احسان
ہوگا جسکا ذکر بطور مدح اور شکر کے وہ کریگا لیکن دوسرے لوگوں کی نسبت وہ نیک خلق اُس کا حسن ہے

داخل ہوگا۔ مثلاً صفت فیاضی اور سخاوت اُس شخص کے حق میں احسان ہے جو فیضیاب ہے اگر دوسروں کی نظر میں حسن صفات سمجھا جائیگا۔

غرض خدا کا قانون قدرت اور صحیفہ فطرت جس کا سلسلہ قدیم سے اور انسان کی بنیاد کے وقت سے چلا آتا ہے وہ ہمیں سکھاتا ہے کہ خدا کے ساتھ تعلق شدید پیدا ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسکے احسان اور حسن سے تمتع اٹھایا ہو اور ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ احسان سے مراد خدا تعالےٰ کے اخلاقی نمونے ہیں جو کسی انسان نے اپنی ذات کی نسبت بچشم خود دیکھے ہوں مثلاً بیکسی اور عاجزی اور کمزوری اور یتیمی کے وقت میں خدا اُس کا متولی ہوا ہو اور حاجتوں اور ضرورتوں کے وقت میں خدا نے خود اُسکی حاجت برآری کی ہو اور سخت اور کمرشکن غموں کے وقت میں خدا نے خود اُسکی مدد کی ہو اور خدا کی طلبی کے وقت میں بغیر توسط کسی مرشد اور ہادی کے خود خدا نے اُسکی رہنمائی کی ہو اور حسن سے مراد بھی خدا تعالےٰ کی وہی صفات حسنہ ہیں جو احسانکے رنگ میں ملاحظہ ہوتی ہیں۔ مثلاً خدا کی قدرت کاملہ اور رفق اور وہ لطف اور وہ ربوبیت اور وہ رحم جو خدا میں پایا جاتا ہے اور وہ عام ربوبیت اسکی جو مشاہدہ ہورہی ہے اور وہ عام نعمتیں اسکی جو انسانوں کے آرام کیلئے بکثرت موجود ہیں اور وہ علم اُس کا جسکو انسان نبیوں کے ذریعہ سے حاصل کرتا اور اُس کے ذریعہ سے موت اور تباہی سے بچتا ہے اور اسکی یہ صفت کہ وہ بیقراروں درماندوں کی دعائیں قبول کرتا ہے اور اُسکی یہ خوبی کہ جو لوگ اسکی طرف جھکتے ہیں وہ اُنسے زیادہ اُن کی طرف جھکتا ہے یہ تمام صفات خدا کی اُسکے حسن میں داخل ہیں اور پھر وہی صفات ہیں کہ جب ایک شخص خاص طور پر اُن سے فیضیاب بھی ہو جاتا ہے تو وہ اسکی نسبت احسان بھی کہلاتی ہیں گو دوسرے کی نسبت فقط حسن میں داخل ہیں اور جو شخص خدا تعالےٰ کی ان صفات کو جو درحقیقت اُس کا حسن اور جمال ہے احسان کے رنگ میں بھی دیکھ لیتا ہے تو اُس کا ایمان نہائت درجہ قوی ہو جاتا ہے اور وہ خدا کی طرف ایسا کھینچا جاتا ہے جیسا کہ ایک لوہا آہن ربا کی طرف کھینچا جاتا ہے اُس کی محبت خدا سے بہت بڑھ جاتی ہے اور اُس کا بھروسا خدا پر بہت قوی ہو جاتا ہے اور چونکہ وہ اسبات کو آزما لیتا ہے کہ اُس کی تمام بھلائی خدا میں ہے اسلئے اُس کی امیدیں خدا پر نہائت مضبوط ہو جاتی ہیں اور وہ طبعاً نہ کسی تکلف اور بناوٹ سے خدا کی طرف جھکا رہتا ہے اور اپنے تئیں ہر دم خدا سے مدد پانے کا محتاج دیکھتا ہے اور اس کی ان صفات کاملہ کے تصور سے یقین رکھتا ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہوگا کیونکہ خدا کے فیض اور کرم اور جود کے

بہت سے نمونے اُس کا چشم دید مشاہدہ ہوتا ہے اسلئے اُس کی دعائیں قوت اور یقین کے چشمہ سے نکلتی ہیں اور اسکا عقد بہت نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے اور آخر کار بمشاہدہ آلاء اور نعماء الٰہی کے نور یقین بہت زور کے ساتھ اس کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور اسکی ہستی بکلی جل جاتی ہے اور باعث کثرت تصور عظمت اور قدرت الٰہی کے اس کا دل خدا کا گھر ہو جاتا ہے اور جسطرح انسان کی روح اسکے زندہ ہونے کی حالت میں کبھی اسکے جسم سے جدا نہیں ہوتی اسی طرح خدائے قادر ذوالجلال کی طرف سے جو یقین اُس کے اندر داخل ہوا ہے وہ کبھی اُس سے علیحدہ نہیں ہوتا اور ہر وقت پاک روح اسکے اندر جوش مارتی رہتی ہے اور اسی پاک روح کی تعلیم سے وہ بولتا اور حقائق اور معارف اس کے اندر سے نکلتے ہیں اور خدائے ذوالعزت والجبروت کا خیمہ ہر وقت اُسکے دل میں لگا رہتا ہے اور یقین اور صدق اور محبت کی لذت ہر وقت پانی کی طرح اسکے اندر بہتی رہتی ہے جس کی آبپاشی سے ہر ایک عضو اس کا سیراب نظر آتا ہے آنکھوں میں ایک جدا سیرابی مشہود ہوتی ہے پیشانی پر الگ ایک نور اس سیرابی کا لہراتا دکھائی دیتا ہے اور چہرہ پر محبت الٰہی کی ایک بارش برستی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور زبان بھی اس نور کی سیرابی سے پورا حصہ لیتی ہے اسی طرح تمام اعضا پر ایک ایسی شگفتگی نظر آتی ہے جیسا کہ ابر بہار کے برسنے کے بعد موسم بہار میں ایک دلکش تازگی درختوں کی ٹہنیوں اور پتوں اور پھولوں اور پھلوں میں محسوس ہوتی ہے لیکن جس شخص میں یہ روح نہیں اتری اور یہ سیرابی اسکو حاصل نہیں اُس کا تمام جسم مردار کی طرح ہوتا ہے اور یہ سیرابی اور تازگی اور شگفتگی جس کی قلم تشریح نہیں کر سکتی یہ اس مردار دل کو مل ہی نہیں سکتی جسکو نور یقین کے چشمہ نے شاداب نہیں کیا بلکہ ایک طرح کی سڑی ہوئی بدبو اُس سے آتی ہے مگر وہ شخص جسکو نور دیا گیا ہے اور جسکے اندر یہ چشمہ پھوٹ نکلا ہے اس کی علامات سے یہ ایک علامت ہے کہ اُس کا جی ہر وقت یہی چاہتا ہے کہ ہر ایک بات میں اور ہر ایک قول میں اور ہر ایک فعل میں خدا سے قوت پاوے اسی میں اسکی لذت ہوتی ہے اور اسی میں اس کی راحت ہوتی ہے وہ اُس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ اور قوت پانے کے لئے جو الفاظ خدا کے کلام میں مقرر کئے گئے ہیں وہی ہیں جو استغفار کے نام سے مشہور ہیں +

استغفار

استغفار کے حقیقی اور اصلی معنے یہ ہیں کہ خدا سے درخواست کرنا کہ بشریت کی کوئی

کمزوری ظاہر نہو اور خدا فطرت کو اپنی طاقت کا سہارا دے اور اپنی حمایت اور نصرت کے حلقہ کے اندر لے یہ لفظ غفر سے لیا گیا ہے جو ڈھانکنے کو کہتے ہیں سو اسکے یہ معنے ہیں کہ خدا اپنی قوت کے ساتھ شخص مستغفر کی فطرتی کمزوری کو ڈھانک لے لیکن بعد اسکے عام لوگوں کیلئے اس لفظ کے معنے اور بھی وسیع کئے گئے اور یہ بھی مراد کہ خدا گناہ کو جو صادر ہو چکا ہے ڈھانک لے۔ لیکن اصل اور حقیقی معنے یہی ہیں کہ خدا اپنی خدائی کی طاقت کیساتھ مستغفر کو جو استغفار کرتا ہے فطرتی کمزوری سے بچاوے اور اپنی طاقت سے طاقت بخشے اور اپنے علم سے علم عطا کرے اور اپنی روشنی سے روشنی دے کیونکہ خدا انسان کو پیدا کر کے اُس سے الگ نہیں ہوا بلکہ وہ جیسا کہ انسان کا خالق ہے اور اُسکے تمام قویٰ اندرونی اور بیرونی کا پیدا کرنیوالا ہے ویسا ہی وہ انسان کا قیوم بھی ہے یعنے جو کچھ بنایا ہی اُس کو خاص اپنے سہارے سے محفوظ رکھنے والا ہے پس جبکہ خدا کا نام قیوم بھی ہے یعنے اپنے سہارے سے مخلوق کو قائم رکھنے والا۔ اسلئے انسان کے لئے لازم ہے کہ جیساکہ وہ خدا کی خالقیت سے پیدا ہوا ہے ایسا ہی وہ اپنی پیدائش کے نقش کو خدا کی قیومیت کے ذریعہ سے بگڑنے سے بچاوے کیونکہ خدا کی خالقیت نے انسان پر احسان کیا کہ اسکو خدا کی صورت پر بنایا۔ پس اسی طرح خدا کی قیومیت نے تقاضا کیا کہ وہ اس پاک نقش انسانی کو جو خدا کے دونوں ہاتھوں سے بنایا گیا ہے پلید اور خراب ہونے دے لہذا انسان کو تعلیم دی گئی کہ وہ استغفار کے ذریعہ سے قوت طلب کرے پس اگر دنیا میں گناہ کا وجود بھی نہ ہوتا تب بھی استغفار ہوتا کیونکہ در اصل استغفار اس لئے ہے کہ جو خدا کی خالقیت نے بشریت کی عمارت بنائی ہے وہ عمارت مسمار نہ ہو اور قائم رہے اور بغیر خدا کے سہارے کے کسی چیز کا قائم رہنا ممکن نہیں ؛

پس انسان کیلئے یہ ایک طبعی ضرورت تھی جس کے لئے استغفار کی ہدایت ہے اسی کی طرف قرآن شریف میں یہ اشارہ فرمایا گیا ہے اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنے خدا ہی ہے جو قابل پرستش ہے کیونکہ وہی زندہ کرنیوالا ہے اور اسی کے سہارے سے انسان زندہ رہ سکتا ہے یعنے انسان کا ظہور ایک خالق کو چاہتا تھا اور ایک قیوم کو۔ تا خالق اسکو پیدا کرے اور قیوم اُسکو بگڑنے سے محفوظ رکھے سو وہ خالق بھی ہے اور قیوم بھی اور جب انسان پیدا ہو گیا تو خالقیت کا کام تو پورا ہو گیا مگر قیومیت کا کام ہمیشہ کیلئے ہے اسی لئے دائمی استغفار کی ضرورت پیش آئی غرض خدا کی ہر ایک صفت

کے لئے ایک فیض ہے اور استغفار صفت قیومیت کا فیض حاصل کرنیکے لئے ہے اسی کی طرف اشارہ سورہ فاتحہ کی اس آیت میں ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی اس بات کی مدد چاہتے ہیں کہ تیری قیومیت اور ربوبیت ہمیں مدد دے اور ہمیں ٹھوکر سے بچاوے تا ایسا نہ ہو کہ کمزوری ظہور میں آوے اور ہم عبادت نہ کر سکیں۔"

اس تمام تفصیل سے ظاہر ہے کہ استغفار کی درخواست کے اصل معنی یہی ہیں کہ وہ اس لئے نہیں ہوتی کہ کوئی حق فوت ہو گیا ہے بلکہ اس خواہش سے ہوتی ہے کہ کوئی حق فوت نہو اور انسانی فطرت اپنے تئیں کمزور دیکھ کر طبعاً خدا سے طاقت طلب کرتی ہے جیسا کہ بچہ ماں سے دودھ طلب کرتا ہے پس جیسا کہ خدا نے ابتدا سے انسان کو زبان آنکھ دل کان وغیرہ عطا کئے ہیں ایسا ہی استغفار کی خواہش بھی ابتدا سے ہی عطا کی ہے اور اسکو محسوس کرایا ہے کہ وہ اپنے وجود کے ساتھ خدا سے مدد پانے کا محتاج ہے اسکی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ یعنے خدا سے درخواست کر کہ تیری فطرت کو بشریت کی کمزوری سے محفوظ رکھے اور اپنی طرف سے فطرت کو ایسی قوت دے کہ وہ کمزوری ظاہر نہ ہونے پاوے اور ایسا ہی ان مردوں اور ان عورتوں کے لئے جو تیرے پر ایمان لاتے ہیں بطور شفاعت کے دعا کرتا رہ کہ تا جو فطرتی کمزوری سے اُنسے خطائیں ہوتی ہیں اُن کی سزا سے وہ محفوظ رہیں اور آئندہ زندگی ان کی گناہوں سے بھی محفوظ ہو جاوے یہ آیت معصومیت اور شفاعت کے اعلےٰ درجہ کی فلاسفی پر مشتمل ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان اعلےٰ درجہ کے مقام عصمت پر اور مرتبہ شفاعت پر تب ہی پہنچ سکتا ہے کہ جب اپنی کمزوری کے روکنے کے لئے اور نیز دوسروں کو گناہ کی زہر سے نجات دینے کے لئے ہر دم اور ہر آن عاجزانہ رہتا ہے اور تضرعات سے خدا تعالےٰ کی طاقت اپنی طرف کھینچتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اس طاقت سے دوسروں کو بھی حصہ ملے جو بوسیلہ ایمان اس سے پیوند پیدا کرتے ہیں معصوم انسان کو خدا سے طاقت طلب کرنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ انسانی فطرت اپنی ذات میں تو کوئی کمال نہیں رکھتی بلکہ ہر دم خدا سے کمال پاتی ہے اور اپنی ذات میں کوئی قوت نہیں رکھتی بلکہ ہر دم خدا سے قوت پاتی ہے اور اپنی ذات میں کوئی کامل روشنی نہیں رکھتی بلکہ خدا سے اُس پر روشنی اترتی ہے اس میں اصل راز یہ ہے کہ کامل فطرت کو صرف ایک کشش دیجاتی ہے تا کہ وہ طاقت بالا کو اپنی طرف کھینچ سکے مگر طاقت کا خزانہ محض خدا کی ذات ہے اسی خزانہ سے فرشتے بھی اپنے لئے طاقت کھینچتے ہیں اور ایسا ہی انسان کامل بھی اسی سرچشمہ طاقت سے عبودیت کی نالی کے ذریعہ سے عصمت

اور فضل کی طاقت کھینچتا ہے لہذا انسانوں میں سے وہی معصوم کامل ہے جو استغفار سے الٰہی طاقت کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کشش کے لئے تضرع اور خشوع کا ہر دم سلسلہ جاری رکھتا ہے تا اُس پر روشنی اترتی رہے اور ایسے دل کو اس گھر سے تشبیہ دے سکتے ہیں جسکے شرقی اور غربی اور ہر ایک طرف سے تمام دروازے آفتاب کے سامنے ہیں پس ہر وقت آفتاب کی روشنی اس میں پڑتی ہے لیکن جو شخص خدا سے طاقت نہیں مانگتا وہ اُس کوٹھڑی کی مانند ہے جسکے چاروں طرف سے دروازے بند ہیں اور جس میں ایک ذرہ روشنی نہیں پڑ سکتی پس استغفار کیا چیز ہے یہ اُس آلہ کی مانند ہے جس کی راہ سے طاقت اُترتی ہے تمام راز توحید اسی اصول سے وابستہ ہے کہ صفت عصمت کو انسان کی ایک مستقل جائداد قرار نہ دیا جائے بلکہ اسکے حصول کے لئے محض خدا کو سرچشمہ سمجھا جائے ذات باری تعالیٰ کو تمثیل کے طور پر دل سے مشابہت ہے جس میں مصفّا خون کا ذخیرہ جمع رہتا ہے اور انسان کامل کا استغفار اُن شرائین اور عروق کی مانند ہے جو دل کے ساتھ پیوستہ ہیں اور خون صافی اس میں سے کھینچتی ہیں اور تمام اعضا پر تقسیم کرتی ہیں جو خون کے محتاج ہیں *

ذنب اور جرم میں فرق

یہ کہنا بالکل غلطی ہے کہ آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ میں ذنب کا لفظ موجود ہے جو گناہ کو کہتے ہیں کیونکہ ذنب اور جرم میں فرق ہے جرم کا لفظ تو ہمیشہ اسی گناہ کے لئے آتا ہے جو سزا کے لئے ہوتا ہے مگر ذنب کا لفظ بشریت کی کمزوری کیلئے بھی آجاتا ہے اسی لئے نبیوں پر انسانی کمزوری کی وجہ سے ذنب کا لفظ اطلاق پایا ہے مگر جرم کا لفظ اطلاق نہیں پایا اور خدا کی کتاب میں کسی نبی کو مجرم کے لفظ سے نہیں پکارا گیا اور نیز خدا کی کتاب میں یعنی قرآن کریم میں مجرم کیلئے تو جہنم کی وعید ہے یعنی خدا کی طرف سے عہد ہے کہ وہ جہنم میں ڈالا جائیگا مگر مذنب کے لئے کوئی وعید نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى یعنے جو شخص خدا کے پاس مجرم ہو کر آئیگا۔ اس کی سزا جہنم ہے نہ اس میں مرے گا اور نہ زندہ رہیگا۔ سو اس جگہ خدا نے مُجْرِمًا کہا مُذْنِبًا نہیں کہا کیونکہ بعض صورتوں میں معصوم کو بھی مذنب کہ سکتے ہیں مگر مجرم نہیں کہ سکتے اس پر ایک اور دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ سورۃ آل عمران میں یہ آیت ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ

وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْا اَقْرَرْنَا۔ اس آیت سے بنص صریح ثابت ہوا کہ تمام انبیاء جن میں حضرت مسیح بھی شامل ہیں مامور تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاویں اور انہوں نے اقرار کیا کہ ہم ایمان لائے اور پھر جب آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ کو اسکے ساتھ ملاکر پڑھا جائے اور ذنب سے مراد نعوذ باللہ جرم لیا جائے تو حضرت عیسیٰ بھی اس آیت کے رو سے مجرم ٹھیرینگے کیونکہ وہ بھی اس آیت کے رو سے ان مومنین میں داخل ہیں جو آنحضرت پر ایمان لائے پس بلاشبہ وہ بھی مذنب ٹھیرے۔ یہ مقام عیسائیوں کو غور سے دیکھنا چاہئے پس ان آیات سے بوضاحت تمام ثابت ہوا کہ اس جگہ ذنب کے معنے جرم نہیں ہے بلکہ انسانی کمزوری کا نام ذنب ہے جو قابل الزام نہیں اور مخلوق کی فطرت کے لئے ضروری ہے کہ یہ کمزوری اسمیں موجود ہو اور کمزوری کا نام اسلئے ذنب کہا ہے کہ انسان کی فطرت میں طبعاً یہ قصور اور کمی واقع ہے تا وہ ہر وقت خدا کا محتاج رہے اور تا اس کمزوری کے دبانے کیلئے ہر وقت خدا سے طاقت مانگتا رہے اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ بشری کمزوری ایک ایسی چیز ہے کہ اگر خدا کی طاقت اسکے ساتھ شامل نہ ہو تو نتیجہ اسکا بجز ذنب کے اور کچھ نہیں پس جو چیز موصل الی الذنب ہے بطور استعارہ اسکا نام ذنب کہا گیا اور یہ محاورہ شائع متعارف ہے کہ جو اعراض بعض امراض کو پیدا کرتے ہیں کبھی انہیں اعراض کا نام امراض رکھدیتے ہیں پس کمزوری فطرت بھی ایک مرض ہے جسکا علاج استغفار ہے

غرض خدا کی کتاب نے بشریت کی کمزوری کو ذنب کے محل پر استعمال کیا ہے اور خود گواہی دی ہے۔ کہ انسان میں فطرتی کمزوری ہے۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا یعنے انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے یہی کمزوری ہے کہ اگر الٰہی طاقت اسکے شامل نہ ہو تو انواع اقسام کے گناہوں کا موجب ہو جاتی ہے پس استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر دم اور ہر آن خدا سے مدد مانگی جائے اور اس سے درخواست کیجائے کہ بشریت کی کمزوری جو بشریت کا ایک ذنب ہے جو اُس کے ساتھ لگا ہوا ہے ظاہر نہ ہو سو مداومت استغفار دلیل اس بات پر ہے کہ اس ذنب پر فتح پائی اور وہ ظہور میں نہ آسکا اور خدا کا نور اترا اور اسکو دبالیا اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ استغفار کا لفظ غفر سے نکلا ہے اور اسکے اصل معنے دبانے اور ڈھانکنے کے ہیں یعنے یہ درخواست کرنا کہ بشریت کی کمزوری ظاہر ہو کر نقصان نہ پہنچاوے اور وہ ڈھکی رہے کیونکہ بشر چونکہ خدا نہیں ہے اور نہ خدا سے مستغنی ہے اسلئے وہ اس بچہ کی طرح ہے جو ہر قدم میں ماں کا محتاج ہے تا وہ اسکو گرنے سے بچاوے اور ٹھوکر سے محفوظ رکھے ایسا ہی یہ بھی ہر قدم میں خدا کا محتاج ہوتا ہے تا وہ

اسکو ٹھوکر اور لغزش سے بچاوے سو اسکے علاج کے لئے استغفار ہے۔

اور کبھی یہ لفظ توسع کے طور پر ان لوگوں پر بھی اطلاق پاتا ہے جو اول کسی گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور اسجگہ استغفار کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ جو گناہ صادر ہو چکا ہے اسکی سزا سے خدا بچاوے لیکن یہ دوسرے معنے خدا کے مقرب لوگوں کے حق میں درست اور روا نہیں ہیں وجہ یہ کہ خدا نے تو پہلے سے ان پر ظاہر کیا ہوا ہوتا ہے کہ وہ کوئی سزا نہیں پائینگے اور جنت کے اعلےٰ مقام انکو ملینگے اور خدا کی رحمت کی گود میں وہ بٹھائے جائینگے اور نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ ایسے وعدے انکو دئے جاتے ہیں اور ان کو بہشت دکھایا جاتا ہے پھر اگر وہ ان معنوں کے رو سے استغفار کریں کہ وہ اپنے گناہوں کے سبب سے دوزخ میں نہ پڑیں تو ایسا استغفار تو خود انکے لئے ایک گناہ ہوگا کہ وہ خدا کے وعدوں پر یقین نہیں کرتے اور خدا کی رحمت سے اپنے تئیں دور سمجھتے ہیں پھر ایسا شخص جسکے حق میں خدا تعالےٰ یہ فرماوے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنے تمام دنیا کیلئے تجھے ہم نے رحمت کر کے بھیجا ہے اور تو رحمت مجسم ہے وہ اگر اپنی نسبت ہی یہ شک کرے کہ خدا کی رحمت میرے شامل ہوگی یا نہیں تو پھر دوسروں کے لئے کیونکر رحمت کا باعث ہوگا۔

یہ تمام قرینے اُن لوگوں کے لئے جو انصاف سے سوچتے ہیں صریح اس حقیقت کو کھولتے ہیں۔ کہ استغفار کے دوسرے معنے کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا سخت خطا کاری اور شرارت ہے بلکہ معصوم کیلئے اول علامت یہی ہے کہ وہ سب سے زیادہ استغفار میں مشغول رہے اور ہر آن اور ہر حالت میں بشریت کی کمزوری سے محفوظ رہنے کے لئے خدا تعالےٰ سے طاقت طلب کرتا رہے جسکو دوسرے لفظوں میں استغفار کہتے ہیں کیونکہ اگر ایک بچہ ہر وقت ماں کے ہاتھ کے سہارے سے چلتا ہے اور روا نہیں رکھتا کہ ایک سیکنڈ بھی ماں سے دور ہو وہ بچہ بلاشبہ ٹھوکر سے بچ رہیگا لیکن وہ بچہ جو ماں سے علیحدہ ہو کر چلتا ہے اور خود بخود کبھی کسی خوفناک زینہ پر چڑھتا ہے اور کبھی کسی خوفناک زینہ سے اترتا ہے وہ ضرور ایک دن گریگا اور اسکا گرنا سخت ہوگا۔ پس جسطرح خوش قسمت بچہ کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنی پیاری ماں سے ہرگز علیحدگی اختیار نہ کرے اور ہرگز اسکی گود سے جدا نہ ہو اور اسکے دامن کو نہ چھوڑے یہی عادت اُن مبارک مقدسوں کی ہوتی ہے کہ وہ خدا کے آستانہ پر ایسے جا پڑتے ہیں جیسا کہ ماں کی گود میں بچے اور جیسا کہ ایک بچہ اپنا تمام کام اپنی ماں کی طاقت سے نکالتا ہے اور ہر ایک دوسرا بچہ جو اُس سے مخالفت کرتا ہے یا کوئی کتا اُسکے سامنے آتا ہے یا کوئی اور خوف نمودار ہوتا ہے یا کسی لغزش کی جگہ پر اپنے تئیں

پاتا ہے تو فی الفور اپنی ماں کو پکارتا ہے تا وہ جلد تر اسکی طرف دوڑے اور اُسکی آفت سے اُسکو بچاوے یہی حال اُن روحانی بچوں کا ہوتا ہے کہ بعینہٖ اپنے رب کو ماں کی طرح سمجھ کر اسکی طاقت کو اپنا ذخیرہ سمجھتے ہیں اور ہر وقت اور ہر دم اُسکی طاقتوں کو طلب کرتے رہتے ہیں اور جس طرح شیر خوار بچہ جب بھوک کے وقت اپنا منہ اپنی ماں کے پستان کے اوپر رکھدیتا ہے اور اپنی طبعی کشش سے دودھ کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے تو سبھی کہ ماں محسوس کرتی ہے کہ گریہ اور زاری کیساتھ اس بچہ کے نرم نرم ہونٹھ اسکے پستان پر جا لگے ہیں تو طبعاً اس کا دودھ جوش مارتا ہے اور اس بچہ کے منہ میں گرتا جاتا ہے یہی قانون ان بچوں کے لئے بھی ہے جو روحانی دودھ کے طالب اور جویاں ہیں +

ضرورت شفاعت

ممکن ہے کہ اس جگہ کوئی شخص یہ سوال بھی پیش کرے کہ انسان کو شفاعت کی کیوں ضرورت ہے اور کیوں جائز نہیں کہ ایک شخص براہ راست توبہ اور استغفار کر کے خدا سے معافی حاصل کرے۔ اس سوال کا جواب قانون قدرت خود دیتا ہے کیونکہ یہ بات مسلم ہے اور کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان بلکہ تمام حیوانات کی نسل کا سلسلہ شفاعت پر ہی چل رہا ہے کیونکہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ کہ شفاعت کا لفظ شفع سے نکلا ہے جسکے معنے ہیں جفت پس اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ تمام برکات تناسل شفع سے ہی پیدا ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں ایک انسان کے اخلاق اور قوت اور صورت دوسرے انسان میں اسی ذریعہ سے آجاتے ہیں یعنے وہ ایک جوڑ کا ہی نتیجہ ہوتا ہے ایسا ہی ایک حیوان جو دوسرے سے پیدا ہوتا ہے مثلاً بکری بیل گدھا وغیرہ اور وہ تمام قوے جو ایک حیوان سے دوسرے میں منتقل ہوتے ہیں وہ بھی درحقیقت ایک جوڑ کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ پس یہی جوڑ جب ان معنوں سے لیا جاتا ہے کہ ایک ناقص ایک کامل سے روحانی تعلق پیدا کر کے اسکی روح سے اپنی کمزوری کا علاج پاتا ہے اور نفسانی جذبات سے محفوظ رہتا ہے تب اس جوڑ کا نام شفاعت ہے جیسا کہ چاند سورج کے مقابل ہو کر ایک قسم کا اتحاد اور جوڑ اس سے حاصل کرتا ہے تو معاً اس نور کو حاصل کر لیتا ہے جو آفتاب میں ہے اور چونکہ اس روحانی جوڑ کو جو پر محبت دلوں کو انبیاء کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اس جسمانی جوڑ سے ایک مناسبت ہے جو زید کو مثلاً اپنے باپ سے ہے اسلئے یہ روحانی فیضیاب بھی خدا کے نزدیک اولاد

کہلاتے ہیں اور اس تولد کو کامل طور پر حاصل کرنے والے وہی نقوش اور اخلاق اور برکات حاصل کر لیتے ہیں جو نبیوں میں موجود ہوتے ہیں پس دراصل یہی حقیقت شفاعت ہے اور جس طرح جسمانی شفع یعنے جوڑ کا یہ لازمہ ذاتی ہے کہ اولاد مناسب حال اُس شخص کے ہوتی ہے جس سے یہ جوڑ کیا گیا ہے ایسا ہی روحانی شفع کا بھی خاصہ ہے غرض یہی حقیقت شفاعت ہے کہ خدا کا قانون جسمانی اور روحانی اس طرح پر قدیم سے واقع ہے کہ تمام برکات جوڑ سے ہی پیدا ہوتی ہیں صرف یہ فرق ہے کہ ایک قسم کو شفع کہا گیا ہے اور دوسری قسم کا نام شفاعت کہا گیا ہے اور انسان کو جس طرح کہ سلسلہ تناسل کے محفوظ رکھنے کے لئے شفع کی ضرورت ہے ایسا ہی روحانیت کا سلسلہ باقی رکھنے کیلئے شفاعت کی ضرورت ہے اور خدا کے کلام نے دونوں کو بیان فرما دیا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ اللہ تعالے قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ خدا نے آدم کو جوڑا پیدا کیا اور پھر اس جوڑہ سے مخلوق مرد اور عورت پیدا کئے اور ایسا ہی فرماتا ہے کہ خدا نے زمین پر اپنا خلیفہ پیدا کیا جو آدم تھا جس میں خدائی روح تھی پھر وہ نور آدم سے دوسرے نبیوں میں منتقل ہو گیا اور ابراہیم اور اسحاق اور اسماعیل اور یعقوب اور موسےٰ اور داؤد اور عیسےٰ وغیرہم سب اس نور کے وارث ہوئے یہانتک کہ آخری وارث ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے پس ان تمام پاک نبیوں نے جیسا کہ آدم سے وراثت میں جسمانی نقوش پائے ایسا ہی بحیثیت خلیفہ ہونے آدم کے اُس سے خدائی روح بھی پائی پھر ان کے ذریعہ سے قوماً فقوماً اَور لوگ بھی وارث ہوتے گئے ◆

قرآن شریف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ثبوت

اور قرآن شریف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بارہ میں مختلف مقامات میں ذکر فرمایا گیا ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ترجمہ کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے اب دیکھو کہ یہ آیت کسقدر صراحت سے بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا جسکے لوازم میں سے محبت اور تعظیم اور اطاعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہے اسکا ضروری نتیجہ ہے کہ انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اسکے گناہ بخشے جاتے ہیں اگر کوئی گناہ کی زہر کھا چکا ہے تو محبت اور اطاعت اور پیروی کے تریاق سے اس زہر کا اثر جاتا رہتا ہے اور جس طرح بذریعہ دوا مرض سے ایک انسان پاک ہو سکتا

ہے ایسا ہی ایک شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے اور جس طرح نور ظلمت کو دور کرتا ہے اور تریاق زہر کا اثر زائل کرتا ہے اور آگ جلاتی ہے ایسا ہی سچی اطاعت اور محبت کا اثر ہوتا ہے دیکھو آگ کیونکر ایکدم میں جلا دیتی ہے پس اسی طرح پرجوش نیکی جو محض خدا کا جلال ظاہر کرنے کیلئے کیجاتی ہے وہ گناہ کا خس و خاشاک بھسم کرنے کیلئے آگ کا حکم رکھتی ہے جب ایک انسان سچے دل سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے اور آپ کی تمام عظمت اور بزرگی کو مان کر پورے صدق و صفا اور محبت اور اطاعت سے آپکی پیروی کرتا ہے یہانتک کہ کامل اطاعت کی وجہ سے فنا کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تب اس تعلق شدید کیوجہ سے جو آپکے ساتھ ہو جاتا ہے وہ الٰہی نور جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اترتا ہے اس سے یہ شخص بھی حصہ لیتا ہے تب چونکہ ظلمت اور نور کی باہم منافات ہے وہ ظلمت جو اسکے اندر ہے دور ہونی شروع ہو جاتی ہے یہانتک کہ کوئی حصہ ظلمت کا اسکے اندر باقی نہیں رہتا اور پھر اس نور سے قوت پا کر اعلےٰ درجہ کی نیکیاں اس سے ظاہر ہوتی ہیں اور اسکے ہر ایک عضو میں سے محبت الٰہی کا نور چمک اٹھتا ہے تب اندرونی ظلمت بکلی دور ہو جاتی ہے اور علمی رنگ سے بھی اسمیں نور پیدا ہو جاتا ہے اور عملی رنگ سے بھی نور پیدا ہو جاتا ہے آخر ان نوروں کے اجتماع سے گناہ کی تاریکی اسکے دل سے کوچ کرتی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ نور اور تاریکی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے لہذا ایمانی نور اور گناہ کی تاریکی بھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی اور اگر ایسے شخص سے اتفاقاً کوئی گناہ ظہور میں نہیں آیا تو اسکو اس اتباع سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آئندہ گناہ کی طاقت اس سے مسلوب ہو جاتی ہے اور نیکی کرنے کی طرف اسکو رغبت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اُسکی نسبت اللہ تعالےٰ آپ قرآن شریف میں فرماتا ہے حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ یعنی خدا نے تم پر پاک روح نازل کرکے ہر ایک نیکی تمہیں پیاری لگائی اور کفر اور فسق اور عصیان تمہاری نظر میں مکروہ کیا۔

لیکن اگر اس جگہ یہ سوال ہو کہ وہ نور جو بذریعہ نبی علیہ السلام کے پیروی کرنے والے کو ملتا ہے جس سے گناہ کے جذبات دور ہو جاتے ہیں وہ کیا چیز ہے سو اس سوال کا یہ جواب ہے کہ وہ ایک پاک معرفت[۱] ہے جسکے ساتھ کوئی تاریکی شک و شبہ کی نہیں اور وہ ایک پاک محبت[۲] ہے جسکے ساتھ کوئی نفسانی غرض نہیں اور وہ ایک پاک لذت[۳] ہے جو تمام لذتوں سے بڑھ کر ہے جسکے ساتھ کوئی کثافت نہیں اور وہ ایک زبردست کشش[۴] ہے جس پر کوئی کشش غالب نہیں اور وہ ایک قوی لا اثر تریاق[۵] ہے جس سے تمام اندرونی زہریں دور ہوتی ہیں یہ پانچ چیزیں ہیں جو نور کے طور پر روح القدس کے ساتھ سچی پیروی کرنیوالے کے لیے نازل ہوتی ہیں پس ایسا

دل نہ صرف گناہ سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے بلکہ طبعاً اُس سے متنفر بھی ہو جاتا ہے ان پانچ چیزوں کی طاقت کا جدا جدا بیان تو بہت طول چاہتا ہے مگر صرف پاک معرفت کی خاصیتوں کو کسی قدر تفصیل سے بیان کرنا اس حقیقت کے سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ کیونکر پاک معرفت گناہ سے روکتی ہے*

یہ تو ظاہر ہے کہ انسان بلکہ حیوان بھی نقصان رساں چیز کی نسبت علم صحیح اور یقینی پاکر اُسکے نزدیک نہیں جاسکتا۔ چور کو اگر یہ اطلاع ہو کہ جس جگہ میں نقب لگانا چاہتا ہوں اسجگہ مخفی طور پر ایک جماعت کھڑی ہے جو عین نقب زنی کی حالتمیں مجھے پکڑ لیگی تو وہ ہرگز اسبات پر جرأت نہیں کرسکتا کہ نقب لگاوے بلکہ اگر ایک پرند بھی اسبات کو تاڑ جاوے کہ یہ چند دانہ جو میرے لئے زمین پر پھیلائے گئے ہیں انکے نیچے دام ہے تو وہ ان دانوں کے نزدیک نہیں آتا ایسا ہی مثلاً اگر ایک نہائت عمدہ لطیف کھانا پکایا گیا ہو مگر کسی شخص کو یہ علم ہو جائے کہ اس کھانے میں زہر ہے تو وہ کبھی اُس کھانے کے نزدیک نہیں آتا پس ان تمام مشاہدات سے صاف ظاہر ہے کہ انسان جب ایک موذی اور نقصان رساں چیز کی نسبت پورا علم حاصل کرے تو کبھی اس چیز کی طرف رغبت نہیں کرتا بلکہ اسکی شکل سے بھاگتا ہے لہذا یہ امر قابل تسلیم ہے کہ اگر انسان کو کسی ذریعہ سے اس بات کا علم ہو جاوے کہ گناہ ایسی مہلک زہر ہے جو فی الفور ہلاک کرتی ہے تو بلاشبہ انسان بعد اس علم کے گناہ کا مرتکب ہرگز نہیں ہوگا*

لیکن اس جگہ طبعاً یہ سوال پیش ہوتا ہے کہ وہ کونسا ذریعہ ہے کیا عقل وہ ذریعہ ہوسکتی ہے تو اس کا یہی جواب ہے کہ عقل ہرگز کامل ذریعہ نہیں ہوسکتی جبتک کوئی آسمانی مددگار نہ ہو۔ کیونکہ دل میں یقین ہونا کہ گناہ کے لئے واقعی ایک سزا ہے جس سے انسان بچ نہیں سکتا۔ یہ یقین کامل طور پر اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب کامل طور پر معلوم ہو کہ خدا بھی ہے جو گناہ پر سزا دیسکتا ہے لیکن مجرد عقلمند جسکو آسمان سے کوئی روشنی نہیں ملی خدا تعالے پر کامل طور پر یقین نہیں کرسکتا کیونکہ اُسنے خدا تعالے کے کلام کو نہیں سنا اور نہ اُسکے چہرے کو دیکھا اسلئے اُسکو خدا تعالے کی نسبت بشرطیکہ وہ زمین و آسمان کی مخلوقات پر غور کرکے صحیح نتیجہ تک پہنچ سکے صرف اسقدر علم ہوسکتا ہے کہ ان تمام مصنوعات کا کوئی صانع ہونا چاہئے لیکن اس یقینی قطعی علم تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ صانع موجود بھی ہے اور ظاہر ہے کہ ہونا چاہئے۔ اور ہے میں بڑا فرق ہے یعنے جو شخص صرف اسیقدر علم رکھتا ہے کہ فقط ہونا چاہئے کے مرتبہ پر آکر ٹھہر گیا ہے پھر ما وراء اسکے اسکی نظر کے سامنے تاریکی ہی تاریکی ہے وہ اُس شخص کی مانند اپنے علم کے رو سے

ہرگز نہیں کہ جو اس صانع حقیقی کی نسبت صرف یہ نہیں کہتا کہ ہونا چاہئے بلکہ اس نور کی شہادت سے جو اسکو دیا گیا ہے محسوس بھی کر لیتا ہے کہ وہ ہے بھی اور یہ نہیں کہ صرف وہ آسمانی نور سے خدا کی ہستی کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ اس آسمانی نور کی ہدایت سے اسکے ذہنی اور عقلی قوے بھی ایسے تیز کئے جاتے ہیں کہ اس کا قیاسی استدلال بھی اعلےٰ سے اعلےٰ ہوتا ہے پس وہ دوہری قوت سے خدا تعالےٰ کے وجود پر یقین رکھتا ہے۔ اس جگہ آسمانی نور سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کا یقینی مکالمہ اسے نصیب ہوتا ہے یا صاحب مکالمہ سے نہایت شدید اور گہرا تعلق اسکو ہوتا ہے اور مکالمہ الٰہیہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ عام لوگوں کی طرح ظنی طور پر وہ الہام کا دعوےٰ ہے کیونکہ ظنی الہام کچھ چیز نہیں ہے بلکہ وہ عقل سے بھی نیچے گرا ہوا ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ درحقیقت وہ یقینی و قطعی طور پر خدا تعالےٰ سے ایسی پاک اور کامل وحی ہوتی ہے جسکے ساتھ آسمانی نشان ایک لازمی امر کیطرح ہوتے ہیں اور وہ وحی اپنی ذات میں نہایت شوکت اور عظمت رکھتی ہے اور اپنے پُر رعب اور لذیذ الفاظ کیساتھ ایک فولادی میخ کی طرح دل کے اندر گھس جاتی ہے اور اسپر خدا کے نشانوں اور فوق العادت علامات کی ایک چمکتی ہوئی مُہر ہوتی ہے اور انسان کو خدا پر پورا یقین حاصل کرنے کے لئے یہ ایک پہلی ضرورت ہے کہ ایسی وحی سے بذات خود فیضیاب ہو یا ایک فیضیاب سے تعلق شدید رکھتا ہو جو روحانی تاثیر سے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والا ہو پس ہر ایک مذہب جو یہ تازہ بتازہ وحی جو زندہ نشان اپنے ساتھ رکھتی ہے پیش نہیں کر سکتا وہ ان بوسیدہ ہڈیوں کی مانند ہے جو خاک نے قریباً انکو خاک کی مانند کر دیا ہے اور ایسے مذہب سے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ سچی تبدیلی پیدا کر سکے اور اسپر ناز اور فخر کرنے والے صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو محض باپ دادوں کی لکیر پر چلنا چاہتے ہیں اور حق جوئی کی انکی روح میں کوئی خواہش نہیں اور نہ ایسی خواہش کے وہ آرزومند ہیں۔ بلکہ شدت تعصب اور گمراہی کے سبب سے انکی اندرونی حالت کی ایک یا پلٹ ہو رہی ہے انکو اس بات کی پروا نہیں کہ وہ کیونکر یقینی طور پر خدا پر ایمان لا سکتے ہیں اور وہ خدا کن صفات کا ہونا چاہئے جسپر یقینی ایمان آسکتا ہے اور وہ کونسے امور ہیں جو خدا تعالےٰ کی ہستی کی نسبت یقین پیدا کر سکتے ہیں اور نیز یقین کی علامات کیا ہیں جو صاحب یقین کیلئے بطور امتیازی نشان کے ہوتے ہیں یاد رہے کہ اگرچہ کوئی مذہب کسی حد تک معقولیت کے رنگ میں ہو اور ظاہری تہذیب اور شائستگی سے موصوف بھی ہو لیکن اسی حد تک نہیں کہا جائیگا کہ وہ مذہب خدا تعالےٰ کی ہستی اور اسکی صفات کی نسبت یقین کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے بلکہ دنیا کے تمام مذاہب اس وقت تک سراسر لغو اور بیفائدہ اور بیہودہ اور بیجان اور مردہ ہیں جبتک کہ ایک سالک کو یقین کے صافی چشمہ تک پہنچا دیں +

افسوس کہ اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ خدا کے وجود اور اسکی ہستی اور اسکی عظمت اور قدرت اور دیگر صفات حسنہ پر یقین لانا کیا چیز ہے بلکہ اگر انکی حالت پر افسوس سے یہ اے ظاہر کیجائے کہ وہ چشمۂ صافیہ یقین سے بے نصیب ہیں لہذا وہ سچی پاکیزگی سے بھی بے نصیب ہیں جو یقین کے بعد حاصل ہوتی ہیں تو وہ اس بات سے بہت غصہ کرتے ہیں اور جوش میں آ کر کہتے ہیں کہ کیا ہم خدا پر یقین نہیں رکھتے کیا ہم اسکو نہیں مانتے پس ان تمام باتوں کا یہی جواب ہے کہ درحقیقت نہ تم خدا پر یقین رکھتے ہو اور نہ اُسکو مانتے ہو افسوس کہ وہ نہیں سمجھتے کہ ہر ایک سوراخ پر جوان کو دلی یقین ہوتا ہے کہ اسمیں ایک زہریلہ سانپ ہے تو اسمیں اپنا ہاتھ نہیں ڈالتے کیونکہ اسمیں اپنی ہلاکت دیکھتے ہیں۔ لیکن ہر ایک گناہ دلیری سے کر لیتے ہیں وہ ایک ہلاہل زہر کو نہیں کھاتے کیونکہ جانتے ہیں کہ مر جاوینگے لیکن بڑے بڑے خوفناک جرائم اُنسے ظہور میں آتے ہیں بلکہ یقین تو یقین ظن غالب کے مرتبہ پر بھی وہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کرتے جس سے کسی ضرر کا احتمال ہے مثلاً وہ کسی ایسی چھت کے نیچے سونا پسند نہیں کرتے جسکا شہتیر کسیقدر ٹوٹ گیا ہے وہ کسی ایسے گاؤں میں رہنا نہیں چاہتے جسمیں ہیضہ یا طاعون شروع ہوگئی ہے پھر کیا باعث ہے کہ باوجود دعوے یقین کے خدا تعالےٰ کے حکموں کو توڑتے ہیں پس یقیناً سمجھو کہ حق یہی بات ہے کہ درحقیقت اُن کو یقین نہیں بلکہ انکو یہ ظن غالب بھی نہیں کہ ایک مقتدر ذات موجود ہے جو ایکدم میں ہلاک کر سکتی ہے ؎

عیسائیوں کا خدا

آجکل یہ بیماری کسی خاص فرقہ سے مخصوص نہیں بلکہ جیسی عیسائیوں میں ہے ایسی ہی مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے اور بقدر مراتب مشرقی لوگوں نے بھی اس سے حصہ لیا ہے جیسا کہ مغربی لوگوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں میں فرق یہ ہے کہ مسلمان تو لاپروائی سے سچے اور قادر خدا سے غافل ہیں تاہم ہمیشہ خدا اپنا نور اُن پر ظاہر کرتا رہتا ہے اور ہر زمانہ میں انکو اپنی طرف کھینچتا ہے اور بعد سے سعادت کے فرزند اس نور سے حصہ لیتے ہیں لیکن عیسائی تو مدت ہوئی کہ اُس خدا کو کھو بیٹھے ہیں جس پر یقین آنیسے پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور اسکی عظمت اور جلال کے تصور سے درحقیقت گناہ سے سچی بیزاری پیدا ہو جاتی ہے اور یہ لوگ بجائے اُس حی قیوم کے ایک عاجز انسان کو جو مریم کا بیٹا اور یسوع کہلاتا ہے خدا قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ نہ دعاؤں کا جواب دے سکتا ہے اور نہ خود کسی کو پکار سکتا ہے اور نہ کوئی اپنی عظمت اور قدرت

ظاہر کرسکتا ہے پس اسکے ذریعہ سے اگر سچی پاکیزگی حاصل ہو تو کیونکر ہو اُسکی قدرت کے نمونے جو کتابوں میں لکھے ہیں وہی ہیں جو اُسنے یہودیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کے دکھ اٹھائے تمام رات کی دعا قبول نہ ہوئی ہاں پر قابل شرم الزام قائم ہوا اسکی مدافعت کسی خدائی چمکار سے نہ کرسکا اسکے معجزات میں اگر وہ صحیح بھی مان لئے جائیں کوئی ایسی خوبی نہیں جو دوسرے انبیاء کے معجزات میں نہو بلکہ ایلیاہ نبی کے معجزات اور اُس کا مردے زندہ کرنا بکمال قدرت مسیح کے معجزات سے بہت بڑھکر ہے ایسا ہی لیسعیاہ نبی کے معجزات بھی درحقیقت بعض ایسے ہیں کہ مسیح کے معجزات کو اُنسے کچھ بھی نسبت نہیں اور حضرت مسیح کی پیشگوئیاں تو نہایت ردی حالت میں ہیں کہ بجائے اسکے کہ اُنسے کوئی نیک اثر پڑے انکو پڑھکر ہنسی آتی ہے کہ یہ کس قسم کی پیشگوئیاں ہیں کہ قحط پڑینگے زلزلے آئینگے لڑائیاں ہونگی حالانکہ ان پیشگوئیوں سے پہلے بھی ملک میں سب کچھ ہورہا تھا پس ایسے خدا پر کیونکر کوئی ایمان لاوے ؂

یہ تو پہلے قصے ہیں خدا جانے ان واقعات میں سچ کس قدر ہے اور جھوٹ کسقدر لیکن اس زمانہ کے لوگوں کیلئے اس نئے خدا کے ماننے میں جس کا یہودیوں کی تعلیم میں بھی نام و نشان نہیں اور بھی مشکلات بڑھ گئے کیونکہ ان لوگوں نے نہ تو مردے زندہ ہوئے بچشم خود دیکھے اور نہ بیماریوں میں سے بھوتوں کا نکلنا بچشم خود مشاہدہ کیا اور نہ وہ دعوے پورے ہوئے جو انکی نسبت کئے گئے تھے یعنے یہ کہ اگر وہ کوئی زہر کھالیں تو اثر نہیں کریگی اور اگر ایک پہاڑ کو کہیں کہ ایک جگہ سے اٹھ جاوے تو وہ فی الفور اُٹھ جائیگا اور سانپوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑینگی اور وہ نہیں کاٹینگے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر یورپ کے عیسائی خود کشی سے مرتے ہیں فی الفور انہیں زہر اثر کرجاتی ہے اور پہاڑ کا تو کیا ذکر اگر ایک لٹا پڑا ہوا جوتا ہو تو فقط حکم سے اسکو سیدھا نہیں کرسکتے جبتک ہاتھ ہلاکر سیدھا نہ کریں اور سانپ وغیرہ زہریلے جانوروں سے ہمیشہ مرتے رہتے ہیں اب اگر اسکے جواب میں یہ کہا جاوے کہ ان آیات کے حقیقی معنے مراد نہیں لینے چاہئے بلکہ اسجگہ مجازی معنے مراد ہیں مثلاً زہر سے یہ مراد ہے کہ وہ غصہ کھالیتے ہیں اور سانپوں سے یہ مراد کہ شریر انکو نقصان نہیں پہنچا سکتے تو قبل اسکے کہ ہم ان تاویلوں میں بھی گفتگو کریں ہم حق رکھتے ہیں کہ اسوقت یہ سوال پیش کردیں کہ جبکہ یہ تمام دعوے جو نشانوں کے لئے دئے گئے اور بار بار حضرت مسیح نے فرمایا کہ جو کچھ نشان میں دکھاتا ہوں میرے پیرو بھی وہی نشان دکھائینگے صرف استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں اور اسنے نشان مراد نہیں ہیں تو اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ حضرت مسیح کیطرف معجزات منسوب کئے جاتے ہیں وہ بھی استعارہ کے رنگ میں ہیں کیونکہ

حضرت مسیح بار بار انجیلوں میں فرما چکے ہیں کہ جو کچھ میں معجزات دکھاتا ہوں وہی معجزات میرے پیچھے پیرو بھی دکھاتے رہینگے اب چونکہ ایسے معجزات کے مطالبہ کیوقت یہ جواب ملتا ہے کہ ان مقامات سے مراد معجزات نہیں ہیں بلکہ مسیحی لوگوں کی اخلاقی حالتیں مراد ہیں تو کیوں نہ کہا جائے کہ حضرت مسیح کے معجزات سے بھی ایسے ہی امور مراد ہیں نہ درحقیقت معجزات۔ غرض عیسائیوں کے لئے یہ سوال ایک سخت مصیبت کیجگہ ہے جس کا کوئی بھی جواب انکے پاس نہیں اب اگر اس مقام میں ذرا زیادہ سوچا جائے تو درحقیقت یہ ایک مصیبت نہیں بلکہ تین مصیبتیں ہیں (۱) ایک تو یہ کہ مسیح کا فرمانا کہ جو کچھ میں معجزات دکھلاتا ہوں وہی معجزات بلکہ اُن سے بڑھکر میرے پیرو دکھائینگے یہ بات صریح جھوٹی نکلی (۲) اس جھوٹ نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ مسیح نے بھی کوئی معجزہ نہیں دکھلایا کیونکہ اگر مسیح نے کوئی معجزہ دکھلایا تھا تو ضروری تھا کہ مسیح کے پیرو بھی معجزات دکھلانے پر قادر ہوتے (۳) اگر فرض محال کے طور پر یہ قبول بھی کرلیں کہ مسیح سے معجزات ظاہر ہوئے تھے اور ان عبارات کی کچھ پروا نہ کریں جہاں انجیلوں میں لکھا ہے کہ اس زمانہ کے حرامکار نشان مانگتے ہیں انکو کوئی نشان دکھلایا نہیں جائیگا تاہم ایسے معجزات سے جو پہلے نبیوں کے معجزات سے کچھ زیادہ نہیں ہیں بلکہ کم ہیں۔ مسیح کی خدائی ثابت نہیں ہو سکتی۔

پس جب کہ مسیح کی خدائی ایسی ہے کہ ایک سلیم العقل آدمی کو کسی طرح اس پر یقین نہیں آسکتا تو ایسی خدائی کیونکر گناہ سے روک سکتی ہے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ وہ امر جو اول درجہ پر گناہ سے روکتا ہے وہ خدا تعالےٰ کے وجود پر یقین ہے یعنے یہ یقین کہ درحقیقت ایک خدا ہے جو گناہ کی سزا دیتا ہے مگر مسیح کی نسبت ایسا یقین کیونکر پیدا ہو بھلا کوئی ہمیں یہ تو بتلاوے کہ اسمیں اور اُن لوگوں میں جو مر چکے ہیں ما بہ الامتیاز کیا ہے ہم اور ہر ایک عقلمند خوب جانتا ہے کہ خدا میں اور مخلوق میں ایک ما بہ الامتیاز ضرور چاہئے لیکن اس جگہ اس ما بہ الامتیاز کا تو ذکر کیا یہاں تو اسقدر بھی ما بہ الامتیاز ثابت نہیں جو ایک مردہ انسان اور زندہ انسان میں ہو سکتا ہے افسوس کہ حضرات عیسائی صاحبان تو مسیح کی خدائی کے لئے شور و فریاد کر رہے ہیں لیکن ہم تو اسی قدر پر راضی ہو سکتے ہیں کہ وہ حضرت مسیح کو ایک زندہ انسان کے مرتبہ پر ثابت کر کے دکھلاویں ہمیں کسی مذہب سے بغض نہیں اگر ابن مریم خدا ہے تو ہم سب سے پہلے اسے قبول کرنیکو طیار ہیں اگر درحقیقت وہی شفیع ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ اول المومنین ہم ہی ہوں لیکن محض باطل اور سراسر لغو اور جھوٹ کو ہم کیونکر قبول کرلیں۔ اگر خدا ایسا ہی کمزور اور عاجز ہونا چاہئے جیسا کہ یسوع ابن مریم ہے تو پھر ایسے خدا کے ماننے کی کچھ ضرورت نہیں اور نہ کسی طرح اُسپر

یقین آ سکتا ہے لیکن اگر یسوع مسیح ایسا خدا ہے کہ ہم ہی طرز سے اُسکو شناخت کر سکتے ہیں جس طرح خدا تعالیٰ اُس ہر ایک زمانہ میں نبیوں کی معرفت اور خود بخود اپنے تئیں شناخت کراتا رہا ہے اور وہ بھی اس سے ناشناسا نہیں رہے جن کو آسمانی کتابیں نہیں پہنچیں تو ہم اُسکے قبول کرنیکے لئے تیار ہیں پس کیا زمین کے پردہ پر کوئی صاحب ایسے ہیں جو مسیح کا کوئی امتیازی نشان ہمکو دکھلاویں یعنے ہم اسکی آواز سن سکیں اور اسکی خدائی کے نشانوں کو ہم دیکھ سکیں کیونکہ ہم باربار لکھ چکے ہیں کہ اگر اس سچے خدا پر بھی محض شکی ایمان ہو جو واقعی خدا ہو تب بھی ایسا ایمان گناہ سے منجی نہیں ہو سکتا پھر ایسا مصنوعی خدا جو یہودیوں کے ہاتھ سے ماریں کھاتا رہا دل میں اگر محض شکی طور پر اُس خدا کی خدائی کا خیال جمایا جاوے۔ تو ایسا خیال کس مرض سے نجات دے گا۔

یہ یقینی امر ہے کہ وہ خدا جو درحقیقت خدا ہے اسپر ایمان لانا بھی اسی حالتمیں گناہ سے چھوڑا سکتا ہے جبکہ وہ ایمان یقین کے درجہ پر پہنچگیا ہو تو پھر کسی انسان کو خدا بنانا اور اسکی خدائی پر یقینی دلائل پیش نکرنا کسقدر جائے شرم ہے اور درحقیقت ایسے لوگ راستی کے دشمن ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ اُن لوگوں کو اس قابل شرم کارروائی کیلئے کونسی ضرورت پیش آئی تھی اور ازلی بدلی خدا کے ماننے میں کونسے نقصان محسوس ہوئے تھے جنکا تدارک اس مصنوعی خدا سے کیا گیا ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ سچا خدا جو آدمؑ پر ظاہر ہوا اور پھر شیث پر اور پھر نوحؑ پر اور ابراہیمؑ پر اور موسیٰؑ اور تمام نبیوں پر یہانتک کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر وہ ہمیشہ زندہ حی وقیوم ہے اور جیسا کہ وہ پہلے زمانوں میں نبیوں کی معرفت انا الموجود کہتا تھا اب بھی اسی طرح کہتا ہے اور جیسا کہ پہلے نبیوں نے اسکی باشوکت آوازیں سنیں اور اُسکے نشان دیکھے تھے اور جیسا کہ پہلے زمانوں میں وہ اپنے لوگوں کی دعائیں سنتا اور جواب دیتا تھا اب بھی وہ ہماری دعائیں سنتا اور جواب دیتا ہے اور جیسا کہ پہلے راستباز اس سے محبت کرنے اور چہرہ دیکھنے سے سچی پاکیزگی حاصل کرتے تھے ویسا ہی ہم بھی حاصل کر رہے ہیں پس اس طاقتور اور مقتدر خدا کو وہی چھوڑیگا جو سخت بدقسمت اور اندھا ہو گا ہم یقین رکھتے ہیں کہ دنیا میں جسقدر جھوٹے طور پر خدا بنائے گئے ہیں جیسا کہ یسوع ابن مریم اور رام چندر اور کرشن اور بدھ وغیرہ یہ محض بے دلیل بنائے گئے ہیں اور اسکی ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ ایک بکری کو انسان کہا جائے حالانکہ نہ وہ بولتی ہے اور نہ انسانوں کی طرح چل سکتی ہے اور نہ انسانوں کیطرح اُسکی صورت ہے اور نہ انسانوں کی طرح عقل رکھتی ہے اور نہ کوئی علامت انسانیت کی اُسمیں پائی جاتی ہے۔ پس کیا تم ایک بکری کو انسان کہ

سکتے ہو حالانکہ بہت سی باتوں میں بکری کو انسان سے شراکت بھی ہے مثلاً بکری کھاتی ہے جیسا کہ انسان کھاتا ہے اور بکری پیشاب اور پاخانہ کرتی ہے جیسا کہ انسان کرتا ہے لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ مسیح یا رامچندر وغیرہ کو خدا سے کوئی خاص شراکت ہے جو ثابت ہو سکے؟

ان خداؤں کے بنائے جانے کی بجز اسکے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ بمقابل ایک تفریط کے افراط کا طریق اختیار کیا گیا ہے مثلاً راجہ راون نے جب ایک نہایت سختی سے راجہ رامچندر کی ذلت کی اور اسکی عورت کو بھگا لیجانے سے رامچندر کی تمام جماعت کو سخت صدمہ پہنچایا تو جو فریق راجہ رامچندر کا حامی تھا انہوں نے فی الفور راجہ راون کو انسانونکی نسل سے خارج کیا اور راجہ رامچندر کو ایسے یقین کامل سے پرمیشر بنا دیا کہ ابتک تمام ہندو بجائے اپنے پرمیشر کا نام لینے کے رام رام ہی کیا کرتے ہیں بلکہ انکے سلام کا لفظ بھی رام رام ہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیونکو یسوع کے خدا بنانے میں ابھی اسقدر غلو نہیں جیسا کہ ہندوؤں کو رامچندر کے خدا بنانے میں غلو ہے یہانتک کہ ہندوؤنکو اپنے پرمیشر کا نام قریباً بھول ہی گیا ہے اور ہر ایک موقع پر بکثرت استعمال رام رام کی ہے پس جس بالمقابل غیرت اور غلو کیوجہ سے راجہ رامچندر کو خدا بنایا ہے انہیں اسباب سے یسوع ابن مریم کو بھی خدا بنایا گیا یعنے اول شریر یہودیوں نے حضرت مسیح کی ولادت کو ناجائز قرار دیا اور حضرت مریم کو آلودہ دامنی کا الزام لگایا اور پھر حضرت مسیح کے چال چلن پر بہت افترا کیا چنانچہ چند فاضل یہودیوں کی کتابیں جو اسوقت ہمارے مطالعہ میں ہیں انکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح کی زندگی کا بہت بُرا نقشہ کھینچا ہے یہ کتابیں اُن فاضل یہودیوں کی ان دنوں میں شام کے وقت ہمارے حلقہ میں محض اس غرض سے پڑھی جاتی ہیں کہ تا ہماری جماعت کو اس بات کا علم ہو جائے کہ آجکل بعض نادان پادری جیسے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر افترا اور بہتان کے طور پر حملے کرتے ہیں ایسے بدتر حملے حضرت مسیح کی زندگی پر کئے گئے ہیں یہانتک کہ بعض ایسے حملے ہیں جنکے لکھنے سے بھی شرم اور حیا مانع ہے انکی ماں پر نہایت ناپاک الزام ہے ایسا ہی انکی بعض دادیوں یعنے تمر اور راحب اور بنیت سبع پر حرامکاری کے الزام ہیں جنکو پادری صاحبان بھی قبول کرتے ہیں اور سب سے بدتر وہ الزام ہیں جو حضرت مسیح کے چال چلن پر ہیں اور یہ کہ انہوں نے کس طرح ہر ایک بات میں فریب سے کام لیا اور کیونکر خدا نے توریت کے وعدہ کے موافق انکو آخر کار بُرے موت دیدی یہ تمام ذلت اور اہانت اور تہمت کے ایسے الفاظ ہیں جو ایک مسلمان بغیر اسکے جو بے اختیار غصہ میں آ جائے انکو پڑھ نہیں سکتا۔ پس جب اسقدر حضرت مسیح کی توہین کی گئی کہ جو ایک معمولی انسانکے درجہ سے

بھی انکو گرایا گیا تو اس صورت میں یہ واقعہ ایک طبعی امر تھا کہ جو جماعت حضرت مسیح پر ایمان لائی تھی وہ رفتہ رفتہ افراط کی طرف مائل ہو جاتی لہذا پرجوش آدمی جنکو پہلے سے شرک سے پیار تھا بجز اسکے خوش نہو سکے کہ حضرت مسیح کو خدا بنا دیا جائے گویا کہ وہ اسطرح پر ان یہودیوں کے حملوں کا بدلا اتارنا چاہتے تھے۔ جو نہایت سختی سے حضرت مسیح پر کئے گئے تھے۔

اور عجیب تر یہ بات ہے کہ جن انجیلوں سے عیسائی لوگ حضرت مسیح کی خدائی ثابت کرنا چاہتے ہیں انہیں انجیلوں کے حوالہ سے ایک فاضل یہودی نے اپنی کتاب میں ثابت کرنا چاہا ہے کہ نعوذ باللہ یہ انسان درحقیقت ایک دنیا پرست اور مکار تھا جس سے نہ کوئی معجزہ ہوا اور نہ کوئی پیشگوئی سچی نکلی اور وہ لکھتا ہے کہ انجیلوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ گویا مسیح نے بہت سے معجزات یہودیوں کو دکھلائے۔ یہ قول خود انجیلوں کے ہی بیان سے جھوٹا ثابت ہوتا ہے کیونکہ انجیل کی گواہی سے ثابت ہے کہ جب بزرگان قوم یسوع سے کوئی معجزہ طلب کرتے تھے تو اُسکے جواب میں یسوع کا یہی طریق تھا کہ وہ ان بزرگوں کو گندی گالیاں دیکر یہی کہا کرتا تھا کہ ان کو کوئی نشان دکھلایا نہیں جائیگا اور پھر کہتا ہے کہ ہم اگر مان بھی لیں کہ بعض بیماروں کو اُس نے اچھا کیا تھا تو یہ کوئی مفید دلیل اسکی خدائی کیلئے نہیں کیونکہ اسی زمانہ اسکے مخالف بھی ایسے معجزات دکھلاتے تھے اور پھر کیا عقل قبول کر سکتی ہے کہ ایسے معجزات جنسے بہت بڑھکر اور نبی دکھلاتے رہے اُن سے یسوع کا خدا ہونا ثابت ہو جائیگا غرض جبکہ یہودیوں نے نہایت سختی سے حضرت مسیح کی توہین کی تو اسکا ایک ضروری نتیجہ تھا کہ اس تفریط کے مقابل پر افراط بھی کیجاتی پس جب افراط کا سیلاب عیسائیوں میں زور سے چلا اسی زمانہ میں حضرت مسیح کے خدا بنانے کیلئے بنیاد رکھی گئی یہ بات اسوقت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے جبکہ ایک طرف یہودیوں کے حملوں کو دیکھا جائے اور دوسری طرف ان حملوں سے بچنے کے لئے عیسائیوں کی مبالغہ آمیز باتوں کو غور سے سوچا جائے اب چونکہ یہودیوں کی کتابیں بھی اشاعت پا چکی ہیں اور بعض فاضل یہودیوں نے انکو فرانسیسی زبان میں شائع کیا ہے اور پھر انگریزی زبان میں بھی وہ چھپ گئی ہیں لہذا ان دنوں میں حق کے طالبوں کے لئے اصل حقیقت سمجھنے کے لئے نہایت آسانی ہو گئی ہے یہودیوں کے تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ جب سے کہ حضرت موسے کو توریت ملی اور پھر وقتاً فوقتاً نبی آتے رہے کسی نے تثلیث کی تعلیم نہیں دی بلکہ یہی تعلیم دیتے رہے کہ تمہارا خدا ایک ہے اور غائب ہے یہودیوں کا یہ بھی مذہب ہے کہ جب موسے نے کوہ سینا پر خدا تعالیٰ سے درخواست کی کہ اپنا چہرہ دکھلا تو خدا نے اُسوقت کیوں کہا کہ میرا چہرہ کوئی دیکھ نہیں سکتا چاہیئے تھا کہ خدا

اسوقت یسوع کی شکل دکھلا دیتا کہ میرا چہرہ یہ ہے غرض یہودیوں نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ عیسائی مذہب ایک ایسا مذہب ہے کہ توریت کے پرانے صحیفہ کو جسپر تمام نبیوں کی مہریں ہیں چاک کرنا چاہتا ہے اور توریت کا بنیادی پتھر جو توحید ہے اسکے استیصال کے وہ درپے ہے؛

الی اصل عیسائیوں نے ایسے خدا کو پیش کرکے کہ جسکی تعلیم خدا کی بابت ہرگز ہرگز توریت کی تعلیم کے مطابق نہیں اور نہ قرآن کے مطابق ہے ایک مکروہ بدعت کو دنیا میں پھیلانا چاہا ہے انکو اس بات کی کچھ بھی پروا نہیں کہ اس نئے عقیدہ نے اگر توریت اور دوسرے نبیوں کے صحیفوں کی مخالفت کی ہے تو بارے وہ عقل کے ذریعہ سے ہی ثابت کیا جاتا بلکہ انکو عقل کی راہ سے بھی عجیب لاپرواہی ہے گویا انکے نزدیک عقلی استدلال کی مذہب کو کوئی حکمرانی نہیں بلکہ انکے نزدیک عقل کو یہ حق حاصل نہیں کہ توحید اور تثلیث کے بارے میں اپنی کوئی شہادت دیسکے وہ دوسروں کی خردہ گیری اور نکتہ چینی کے بہت عادی ہیں مگر تعجب کہ اپنے عقیدہ کی نسبت وہ بھولکر بھی ایک غور کی نظر نہیں کرتے انکا اصلی کام یہ ہونا چاہیئے تھا کہ حضرت مسیح کی خدائی کو جسکے توریت۔ قرآن۔ عقل تینوں مکذب ہیں اول ثابت کرلیتے اور پھر کفارہ اور نجات وغیرہ خود تراشیدہ باتوں پر زور دیتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اپنے عقیدہ کی اصل بنیاد کو نظر انداز کرکے بیہودہ باتوں میں گر پڑے لیکن اسکے ساتھ میں یہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس غلطی کی تہ میں ایک سچائی بھی مخفی ہے اور گو سچائی توہمات کے حاشیہ سے اُس سچائی کا منہ کالا کردیا گیا ہے کہ اب بجائے خوبصورتی کے ایک نہایت بد اور ڈراونی شکل نظر آتی ہے تاہم پھر بھی اس سیاہ بادل کے اندر ایک واقعی سچائی کی برقی روشنی ہے جو نہایت دھیمے طور پر اسکی مہلک تعلیم مسیح کو خدا بنانے وغیرہ میں محسوس ہو رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ توریت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی شکل پر پیدا کیا اور اپنا نور اسکے اندر رکھا اور اپنی روح اسمیں پھونکی اور یہی خبر قرآن شریف سے بھی ملتی ہے پس امر انسانی استعداد اور فطرت سے کچھ بڑھکر نہیں ہے کہ خدا اپنے بندہ کے صاف دل میں اسطور سے نزول جلال فرماوے کہ اسکی عظمت کا خیمہ اسکے دل میں قایم ہو جاوے اور بندہ کو خدا سے ایک ایسا تعلق پیدا ہو جاوے جیسا کہ مثلاً جب لوہے کو نہایت تیز اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے تو وہ بظاہر آگ کی صورت پر ہی نظر آجاتا ہے مگر تاہم درحقیقت وہ لوہا ہے نہ آگ۔ پس درحقیقت یہی تعلق خدا کے کامل محبوں کو خدا سے ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اندر محسوس کرنے لگتے ہیں کہ خدا اُن میں اترا ہے اور بسا اوقات اس عالم ایجاد میں بعض لوگوں کی زبان پر شطحیات بھی جاری ہو جاتی ہیں جیسے وہ لوگ اس الٰہی تعلق کو ایسے

رنگ سے بیان کرتے ہیں کہ عام آدمی اس دھوکے میں پڑتے ہیں کہ گویا وہ خدائی کا دعوے کرتا ہے قریباً اس قسم کے کلمات تمام الہی کتابوں میں پائے جاتے ہیں *

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال

قرآن شریف میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو اسی بنا پر خدا کا قول و فعل ٹھیرایا گیا ہے مثلاً قول کی نسبت یہ آیت ہے مَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰے اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی یعنے اس نبی کا قول بشری ہوا و ہوس کے چشمہ سے نہیں نکلتا بلکہ اُس کا قول خدا کا قول ہے اب دیکھو کہ اس آیت کے رو سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کل اقوال خداتعالے کے اقوال ثابت ہوتے ہیں پھر اسکے مقابل پر ایک دوسری آیت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے افعال بھی خداتعالے کے افعال ہیں جیسا کہ فرمایا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰے یعنے جو کچھ تو نے چلایا یہ تو نے نہیں بلکہ خدا نے چلایا پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے افعال بھی خدا کے افعال ہیں پس پھر جس حالت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال بھی خدا کے اقوال ہوئے اور افعال بھی خدا کے افعال ہوئے۔ تو اب عیسائی بتلائیں کہ انکے ہاتھ میں کیا عذر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ وسلم کو خداتعالے قرار نہیں دیتے اور مسیح کی طرح آنجناب کو الوہیت کا کوئی اقنوم نہیں ٹھیراتے حالانکہ اسجگہ عملی طور پر ثبوت ہے اور وہ یہ کہ جیسا کہ خداتعالے اپنی ذات کیلئے غیرت رکھتا ہے اسی طرح خداتعالے آنجناب کے لئے غیرت دکھلاتا ہے چنانچہ جن لوگوں نے آنجناب کو دکھ دیا تھا اور ناحق کے خون کئے تھے اور آپ کو وطن سے نکالا تھا۔ خداتعالے نے آنجناب کو وفات نہیں دی جب تک کہ ان لوگوں کو عذاب کا مزانہ چکھا لیا اور جن لوگوں نے ساتھ دیا تھا اُنکو تختوں پر بٹھا دیا تھا اب جب ہم آنجناب کے ان حالات کا یسوع مسیح کے حالات سے مقابلہ کرتے ہیں تو مجبوراً ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالے نے عملی طور پر یسوع مسیح کے لئے کوئی اپنی تائید ظاہر نہ کی بلکہ الٹا یہودیوں کی تائید کرتا رہا یہانتک کہ انہوں نے یسوع کو صلیب پر چڑھا دیا اور بڑی بڑی ذلتیں

پہنچا وین بخسر ویز ویز نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے جب ارادہ کیا تو ایک ہی رات میں خود قتل کیا گیا۔ لیکن جب یہودیوں کی جھوٹی مخبری سے یسوع مسیح کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا تو صرف ایک دو سپاہیوں نے تین گھنٹہ کے اندر یسوع مسیح کو گرفتار کر کے حوالات میں داخل کر دیا اب کوئی سمجھ سکتا ہے کہ ایسے شخص کیساتھ کوئی الٰہی جلال بھی تھا جو باوجود تمام رات کی دعاؤں کے گرفتار ہونے سے بچ نہ سکا اور پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ پر جسقدر لوگ حملہ کی نیت پر آپکے گھر جمع ہوئے تھے اور گھر کا محاصرہ کر لیا تھا وہ باوجود سخت درسخت کوششوں کے نامراد رہے اور بغیر اسکے جو آنجناب یسوع مسیح کی طرح تمام رات دعائیں کرتے عنایت ایزدی سے بچائے گئے اور اس جگہ سے روز روشن میں صاف نکل گئے اور کوئی آپکو دیکھ نہ سکا لیکن حضرت مسیح کی دردناک دعا ایلی ایلی لما سبقتانی جسپر اب تک یہودی ہنسی ٹھٹھا مارتے ہیں ایسی نامقبول ہوئی کہ باقرار عیسائیاں اس دعا کے بعد نتیجہ یہی نکلا کہ مصلوب ہو گئے یہ تو حضرت مسیح کی ذات کیساتھ خدا تعالےٰ کے معاملات تھے پھر حواریوں کے حالات بھی ایسے ہی ہیں انکو وعدہ دیا گیا تھا کہ ابھی تم زندہ ہو گے کہ میں واپس آؤنگا اب دیکھو یہ پیشگوئی کیسی صفائی سے جھوٹ نکلی اور دو ہزار برس ہونے لگے آپکا نام ونشان نہیں وہ تمام انتظار کرنیوالے ایسی حالت میں مرے کہ ہمیشہ یہود اُنسے ٹھٹھا کرتے رہے کہ تمہارا اُستاد کہاں دوبارہ آیا اور وہ ہمیشہ اس سوال سے شرمندہ رہے اور کوئی جواب نہ دیسکے انکو بارہ تختوں کا وعدہ دیا گیا تھا مگر خود حضرت مسیح کی زندگی میں ایک حواری مرتد ہو گیا اور دوسرے نے بھی مرتد کا سا کام کیا اور اس حساب سے تخت صرف دس رہ گئے حالانکہ پیشگوئی میں بارہ کا وعدہ تھا اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں تختوں پر بیٹھنے کا اپنے اصحاب کو وعدہ دیا تھا۔ سو ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ وہ وعدہ سچا ہو گیا غرض حضرت مسیح کی تعلیم میں ان الفاظ سے جنسے انکو خدا بنایا جاتا ہے کوئی نادر اور عجیب لفظ نہیں اسلئے کہ اور نبیوں کی شان میں بھی اس قسم کے الفاظ بہت آئے ہیں آدم کو بھی خدا کا فرزند کہا گیا ہے اور اسرائیل کو بھی خدا کا فرزند کہا گیا بلکہ ایک جگہ لکھا ہے کہ تم سب خدا ہو مگر کیا ایسے لفظوں سے یہ نتیجہ نکال لینا چاہئے کہ جن لوگوں کے حق میں ایسے الفاظ استعمال پائے ہیں وہ درحقیقت خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں حضرت

مسیح نے بھی تو ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں *

مسیح موعود کا ظہور

غرض بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح کے معاملہ میں ناحق ایک تنکے کا پہاڑ بنایا گیا ہے دیکھو میں بھی خدا سے الہام پاتا ہوں اور بیس برس سے زیادہ عرصہ سے خدا تعالےٰ مجھ سے ہم کلام ہے ڈیڑھ سو کے قریب نشان ظاہر ہوا ہے میں خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس قسم کے مردے کہ جو سنت اللہ کے رو سے زندہ ہوتے رہے ہیں وہ مجھ سے بھی زندہ ہوئے اسی طرح میں حلفاً کہ سکتا ہوں کہ دس ہزار سے زیادہ میری دعائیں قبول ہوئی ہیں اور جس قسم کے الفاظ انجیلوں میں یسوع مسیح کی نسبت ہیں جن سے انکی خدائی نکالی جاتی ہے انسے بہت بڑھکر خدا تعالےٰ کا کلام میری نسبت ہے اور ایسے کلمات بینے کتابوں کے ذریعہ سے شائع بھی کر دئے ہیں خدا نے میرا نام آدم رکھا ہے خدا نے میرا نام ابراہیم رکھا ہے خدا نے میرا نام مسیح موعود رکھا ہے اور خبر دی ہے کہ وہ موعود جس کے انتظار میں تمام نبی گذر گئے ہیں وہ تو ہی ہے مگر باوجود اسکے میں یہ نہیں کہتا کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں حالانکہ میری نسبت خدا کے کلام میں ایسے الفاظ بکثرت موجود ہیں جنکے ذریعہ سے مسیح ابن مریم کی نسبت بآسانی خدا کہلا سکتا ہوں مگر میں جانتا ہوں کہ یہ کفر ہے اسی لئے میں تمام دنیا سے زیادہ حیران ہوں کہ کونسی کوئی خاص فضیلت مسیح ابن مریم میں تھی جسکی وجہ سے اُسکو خدا بنایا گیا کیا اسکے کوئی خاص معجزات تھے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس سے بڑھکر یہاں معجزات ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیا اسکی پیشگوئیاں اعلےٰ قسم کی تھیں مگر میں خلاف واقعہ کہونگا اگر یہ اقرار نہ کروں کہ جو پیشگوئیاں مجھے عطا کی گئی ہیں وہ مسیح ابن مریم سے بہت بڑھکر ہیں کیا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ انجیلوں میں مسیح ابن مریم کی شان میں بڑے اعلےٰ درجہ کے لفظ ہیں جن سے انکو خدا ماننا پڑتا ہے مگر میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جسکی جھوٹی قسم کھانا دنیا اور آخرت میں موجب لعنت ہے کہ وہ الفاظ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے میری شان میں وارد ہوئے ہیں جنکی نسبت میں پھر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ خالص خدا کے الفاظ ہیں نہ انجیلوں کی طرح محرف مبدل متغیر۔ وہ ان الفاظ کی شان سے کہیں بڑھ کر ہیں جو مسیح ابن مریم کی نسبت پادری صاحبان انجیلوں میں پڑھ کھلاتے ہیں مگر کیا مجھے جائز ہے کہ میں بھی خدائی کا دعوےٰ کروں یا خدا کا بیٹا

کہلاؤں پس اسیطرح یقیناً سمجھو کہ مسیح ابن مریم بھی خدا کا بیٹا نہیں نہ خدا ہے میں مسیح محمدی ہوں اور وہ مسیح موسوی تھا۔ خدا کی تقدیر نے یہ مقدر کیا تھا کہ اسرائیلی سلسلہ کے آخر میں جس کی شریعت کی ابتدا موسےٰ سے ہے ایک مسیح آوے اور اُسکے مقابل پر یہ بھی مقدر کیا تھا کہ اسماعیلی سلسلہ کے آخر میں بھی جسکی شریعت کی ابتدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے ایک مسیح آوے سو ایسا ہی ہوا۔ موسےٰ خدا کا بندہ اسرائیل کے لئے شریعت لایا خدا کو معلوم تھا کہ موسےٰ سے قریباً چودھویں صدی پر بنی اسرائیل شریعت کے حقائق اور رموز کو چھوڑ دینگے اور نیز اخلاقی حالت انکی بہت ابتر ہو جائیگی سو اسی غرض سے خدا نے حضرت موسے سے چودھویں صدی پر مسیح ابن مریم کو پیدا کیا اس ملک میں جس میں بنی اسرائیل کی سلطنت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ سو جب توریت کتاب استثنا کے وعدہ کے مطابق دنیا میں مثیل موسے آیا یعنے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تو خدا نے آپکے بعد بھی جب چودھویں صدی پہنچی تو پہلے مسیح کی مانند ایک مسیح پیدا کیا اور وہ میں ہوں اور جسطرح مثیل موسے بہت سی باتوں میں موسے سے بڑھکر ہے ایسا ہی مثیل عیسےٰ بھی بہت سی باتوں میں عیسے سے بڑھکر ہے اور یہ جزئی فضیلت ہے جسکو خدا چاہتا ہے دیتا ہے ٭

عصمت کیونکر ثابت ہو سکتی ہے

اب میں دیکھتا ہوں کہ جس مسئلہ عصمت اور شفاعت کو عیسائیوں کی طرف سے بار بار پیش کیا جاتا ہے وہ ایک سراسر دھوکا ہے جو عیسائیوں کو لگا ہوا ہے اگر معصوم کے یہ معنے ہیں کہ کوئی دشمن کسی کی عملی زندگی کی نسبت کوئی نکتہ چینی نہ کرے تو آؤ ہم یہود کی کتابیں دکھلاتے ہیں جنہوں نے حضرت مسیح اور ان کی ماں کے چال چلن پر بہت نکتہ چینی کی ہے اور اگر معصوم ہونے کے یہ معنے ہیں کہ کوئی شخص اپنے منہ سے یہ کہے کہ میں نیک ہوں تو آؤ ہم انجیل سے آپ لوگوں کو دکھلاتے ہیں کہ مسیح نے اقرار کیا ہے کہ میں نیک نہیں ہوں پس جبکہ خود مسیح ابن مریم کی عصمت کسی طور سے ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ انجیلوں سے بعض حرکات اسکی عصمت کے برخلاف ثابت ہوتی ہیں جیسا کہ شراب پینا انجیل کے ابدی احکام حرمت خنزیر و ختنہ وغیرہ کا توڑنا ناحق دوسرے کے مالوںکو نقصان پہنچانا۔ فقیہوں فریسیوں کو گالیاں دینا بدکردار عورتوں کو جسم چھونے کا موقع دینا حرام کا تیل سر پر ملوانا۔ شاگردوں کو غیر لوگوں کے کھیتوں سے خوشے توڑنے سے منع نہ کرنا۔ اب بتلاؤ کہ یہ تمام امور گناہ ہیں یا

نہیں اگر شراب پینا اچھا کام تھا تو یوحنا نے شراب پینے سے کیوں نفرت کی دانیال نے کہا کہ شراب پینے والوں پر آسمان کے دروازے بند رہتے ہیں۔ ختنہ جو ابدی حکم تھا اس سے کیوں روکدیا حالانکہ آجکل کی تحقیقات کے رو سے بھی وہ بہت سے امراض کو مفید ہے ایسا ہی سؤر ہمیشہ کے لئے حرام تھا اُسکو کھانیکا کیوں فتوے دیا اور خود کہا کہ توریت منسوخ نہیں ہوئی۔ اور پھر آپ ہی اُسے منسوخ کیا اور یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح ابن مریم کی عصمت انجیل کے رو سے ثابت کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ اس مسلول کی صحت ثابت کرنا جس کا مرض قبول اور دستوں کی حالت تک پہنچ چکا ہے کیا ضروری نہ تھا کہ پہلے حضرت مسیح کی عصمت ثابت کر لیتے پھر دوسروں پر نکتہ چینی کرتے قرآن میں استغفار کا لفظ دیکھ کر فی الفور یہ دعوے کر دینا کہ اس سے گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے اور انجیل کے اس لفظ کو ہضم کر جانا کہ میں نیک نہیں کیا یہ ایمانداری ہے پھر ان سب باتوں کے بعد ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آخرت کا شفیع وہ ثابت ہو سکتا ہے جسنے دنیا میں شفاعت کا کوئی نمونہ دکھلایا ہو۔ سو اس معیار کو آگے رکھ کر جب ہم موسے پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی شفیع ثابت ہوتا ہے کیونکہ بارہا اُس نے اترتا ہوا عذاب دعا سے ٹالدیا اُسکی توریت گواہ ہے اسیطرح جب ہم حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ کا شفیع ہونا اجلے بدیہیات معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپکی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ آپنے غریب صحابہ کو تخت پر بٹھا دیا اور آپکی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ وہ لوگ باوجود اسکے کہ بت پرستی اور شرک میں نشو و نما پایا تھا ایسے موحد ہو گئے جنکی نظیر کسی زمانہ میں نہیں ملتی اور پھر آپکی شفاعت کا ہی اثر ہے کہ اب تک آپکی پیروی کرنے والے خدا کا سچا الہام پاتے ہیں خدا اُن سے ہمکلام ہوتا ہے مگر مسیح ابن مریم میں یہ تمام ثبوت کیونکر اور کہاں سے ملسکتے ہیں ہمارے سید و مولے محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر اس سے بڑھکر اور زبردست شہادت کیا ہوگی کہ ہم اُس جناب کیواسطے سے جو کچھ خدا سے پاتے ہیں ہمارے دشمن وہ نہیں پا سکتے اگر ہمارے مخالف اس امتحان کی طرف آویں تو چند روز میں فیصلہ ہو سکتا ہے مگر وہ فیصلہ کے خواہاں نہیں ہیں وہ اسی خدا کو ماننے کے لئے ہمیں مجبور کرتے ہیں جو نہ بول سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ پیش از وقت کچھ بتلا سکتا ہے مگر ہمارا خدا اُن سب باتوں پر قادر ہے۔ مبارک وہ جو ایسے کا طالب ہو

(باقی آئندہ)